

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188082

UNIVERSAL
LIBRARY

ہندستانی

آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے

مکتبہ جامعہ دہلی

قیمت ۱۲ /

ہندستانی کیا ہے؟

- ۱- ڈاکٹر تارا چند ۹
- ۲- ڈاکٹر مولوی عبدالحق ۲۳
- ۳- بابور اجندر پرشاد ۳۵
- ۴- ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ۴۷
- ۵- پنڈت برج موہن دتا تریہ کپتی ۶۱
- ۶- آصف علی صاحب ۷۱

آل انڈیا ریڈیو نے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء سے ۲۵ فروری ۱۹۴۷ء تک ”ہندستانی کیا ہے؟“ پر چھ تقریریں اُن لوگوں سے کرائی تھیں جو اس سوال کا جواب اچھی طرح دے سکتے ہیں۔ مچکے نے خبروں کے دو ترجمے بھی اُن صاحبوں کو بھیجے تھے کہ ان کی عبارت کی بُرائی بھلائی بھی بتائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ریڈیو پر کیسی زبان بولی جائے ترجمے یہ ہیں۔

(۱) فیڈرل سچس لچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی۔ اس کے بارے میں سر این این سرکار لائبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی۔

(۲) سنیکٹ پرانیتھ ویوستھا پکا پریشد میں ایک پرسن کا اُتر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کالجھ نے اُن اُدیوگ دھندوں کی سوچی ہوئی جن کی اُننتی کے لئے سرکار نے سہایا دینا سویکار کیا ہے۔

مکتبہ جامعہ یہ تقریریں آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے چھاپ رہا ہے۔ امید ہے کہ ان سے ملک کے ایک مشکل سوال کو بھی سمجھنے میں مدد ملے گی۔



ڈاکٹر تارا چند

۲۰ فروری ۱۹۳۹ء

ہندوستانی ہمارے دیس کی سب بولیوں میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ہندوستان کے آدھے رہنے والوں کی زبان ہے۔ پنجاب، راجپوتانہ، دہلی، آگرہ، اودھ، بہار اور ہماکوشل میں تو ہندوستانی یا اس سے بہت ملتی جلتی بولیاں بچے اپنی ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ لیکن ان صوبوں سے باہر ہر ایک بڑے شہر میں اس کے بولنے والے ملتے ہیں اور اس کے سمجھنے والوں کی گنتی تو اور بڑی ہے۔

ہندوستانی کوئی من گھڑت بھاشا نہیں ہے، یہ وہی کھڑی بولی ہے جسے میرٹھ اور دہلی کے آس پاس کے رہنے والے بہت پرانے وقتوں سے بولتے چلے آئے ہیں، اس کے چاروں طرف اور اور بولیاں بولی جاتی

تھیں۔ اتر میں پنجابی اور ہینڈ اپچھم میں راجستھانی، پورب میں برج بھاشا اور
 اُس کے آگے اودھی، بندھیلی، گھونپوری، مگھدی وغیرہ۔ جس زمانے میں
 راجپوتوں کے دنش ہندستان میں راج کرتے تھے۔ ان بولیوں کا رواج
 بڑھ رہا تھا۔ پہلے پہل راجستھانی کا ستارہ چمکا اور کویوں نے اس میں کوتاہیں
 لکھیں، جب مسلمانوں نے ہندستان کو فتح کیا۔ اور دہلی کو راجدھانی بنایا تو
 ہندستانی کی قسمت پٹی، دہلی کی انجان بولی ہندستان کے ڈاکیوں کی زبان پر
 چڑھی، یہ اسے اپنے ساتھ گجرات اور دکن لے گئے، بشکروں، بازاروں اور
 خانقاہوں میں اسی کی دُھن سنائی پڑنے لگی، سپاہی، دُکان دار اور صوفی
 درویش اس میں بات چیت کرنے لگے۔ جب اس میں دھرم کا پرچار اور شہر کا
 کاروبار چلنے لگا تو یہ راج درباروں میں پہنچی اور دکن کے سلطانوں کے
 ہاتھوں پر وان چڑھی۔ قصے کہانیاں، غزلیں قصیدے، مرثیے اور مذہبی
 نظمیں بھی ہندستانی میں لکھی جانے لگیں۔ چاروں طرف اس کا ڈنکا بجا تو دہلی
 والوں کو بھی اپنی بھولی بسری بھاشا کی سُدھ آئی اور مغل بادشاہوں اور
 اُن کے درباریوں نے بڑے جاؤ سے اس کی آؤ بھگت کی۔ اب ہندستانی
 کی دن دونی رات چوکنی ترتی ہوئی۔ پردہلی میں آکر مغل دربار کی چھایا میں اس کا
 رنگ بدلا۔ بادشاہ، امیر اور عالم فارسی یا ترکی بولتے تھے۔ اُن کے کان
 ہندستانی کی آوازوں سے آشنا نہ تھے۔ اور ان کی زبانوں سے اس کے
 لفظوں کا ٹھیک ٹھیک ادا ہونا کٹھن تھا۔ انھوں نے دکن میں بنی ہندستانی
 کی کاٹ چھانٹ شروع کی اور اُسے فارسی سے ملانے میں کوئی کسر
 نہ چھوڑی۔

اس سچ میں اُترے ہندستان میں راجستھانی کی جگہ برج بھاشا اور
 اودھی نے لی۔ سور، ٹکسی، بہاری، رحیم جیسے ہا کو یوں نے ان بولیوں کو
 دھرتی سے آسمان پر پہنچایا اور ان کے خزانوں کو ان مول رتنوں سے
 بھر دیا۔ اٹھارویں صدی کے انت تک یہ حالت رہی کہ برج اور اودھی
 جیسی بھاشاؤں میں ایک طرف اردو فارسی ملی ہندستانی یا اردو میں کوتاہی
 رہی دوسری طرف فارسی دربار اور کپہری کی، عربی یا سنسکرت مدرسوں
 اور پاٹھ شالوں کی زبان بنی رہی۔ جب اٹھارویں صدی ہندستان سے
 بداد (داع) ہو رہی تھی تو انگریزوں کا دس پر قبضہ ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا
 کہ انگریز فارسی کو سرکاری زبان مان لیتے، انھوں نے فارسی کو سنگھاسن
 سے اتار انگریزی کو اس کی جگہ بٹھایا، عربی، فارسی اور سنسکرت کو پرانے
 ڈھروں پر چلنے والوں کے لئے چھوڑ ہندستانی سے نئی پودھ کے پڑھانے
 لکھانے کا کام لینے کا ارادہ کیا۔ اس میں کٹھنائی یہ تھی کہ اردو، برج اور
 اودھی میں کوتاہی تو بہت تھی پر پڑھائی کی کتابیں کم۔ فورٹ ولیم کالج کے
 پرنسپل جان گلکرائسٹ نے اس کمی کو اس طرح پورا کیا کہ ہندستان سے میران،
 افسوس، حیدری، کاظم علی جوال، ولا جیسے اردو کے اچھے اچھے لکھنے
 والوں کو کلکتے میں بلوایا اور ان سے نثر میں کتابیں لکھوائیں۔ انھوں نے
 پرانی کتابوں کو سامنے رکھ باغ و بہار، آرایش محفل، طوطا کہانی، بارہ ماسا
 بیتال پچھسی وغیرہ لکھیں۔ ہندوؤں کے لئے لوجی لال، بدل مصر
 بینی نرائن وغیرہ کو حکم ملا کہ نثر (گدھ) کی کتابیں تیار کریں۔ انھیں اور بھی زیادہ
 مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ادب یا ساہتیہ کی بھاشا تو برج تھی لیکن اس میں

گدھ یا نثر نام کے لئے ہی تھا، کیا کرتے، انہوں نے یہ راستہ نکالا کہ میرا تم، افسوس وغیرہ کی زبانوں کو اپنایا۔ پراس میں سے فارسی، عربی کے لفظ چھانٹ دیئے اور سنسکرت اور ہندی کے رکھ دیئے اور پریم ساگر ناسی کیتوپا کھیان جیسی پوتھیاں تیار کیں۔

اس طرح دس برس سے بھی کم کی مدت میں دونی زبانیں اپنے اصلی گہوارے سے سنیکڑوں کو س کی دوری پر ودیسیوں کے اشائے سے بن سنو رنگ منچ پر آکھڑی ہوئیں دونوں کی صورت مورت ایک تھی۔ کیوں کہ دونوں ایک ہی ماں کی بیٹیاں تھیں۔ پھر دونوں کے سنگار، کپڑے اور زیور میں کچھ فرق نہ تھا پر دونوں کے کھڑے ایک دوسرے سے پھرے ہوئے تھے اس ذرا سی بے رُخی نے دیس کو بدھا میں ڈال دیا۔ اور اس دن سے آج تک ہم الگ الگ دورا ہوں پر بھٹک رہے ہیں۔

سو برس گذر گئے۔ ہمارے جیون کے آکاش میں آندھیاں آئیں بادل گر بجے، بجلیاں چلکیں، ہندستان کو بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا، مصیبتیں جھیلنی پڑیں، غریبی، بھوک، بیماری، جہالت کے دکھوں سے کڑھنا پڑا۔ آخر اس ڈراؤنی رات کے گہرے سناٹے میں دیس نے کروٹ بدلی۔ قوم کی آتما جاگی ندوں کے بچھڑوں میں ملنے کی خواہش ہوئی، جی کی سونی بستی کو آباد کرنے کا خیال اُچھا۔ دلوں میں غلامی کی زنجیروں کو توڑنے بے بسی اور لاپارسی کی ہتھکڑیوں کو کاٹنے کا حوصلہ اٹھا۔ کچھ من چلے دور دیکھنے والوں نے اب دیکھا ہندستان ہمارا گھر ہے۔ اس میں بہت سے کنبے رہتے ہیں ان میں ابھی تک آپس میں ان منا پن ہے۔ کہیں کہیں بی رہے ضرورت

اس بات کی ہے کہ سب کنبوں کو ملا کر ایک بڑا خاندان بنائیں۔ سب کو ایک چھم کی چھایا میں اکٹھا کریں۔ کنبوں کی اپنی اپنی چال ہے بولیاں ہیں۔ یہ سب اچھی نہیں یہ بڑھیں پھلیں پھولیں پر سارے خاندان کی ایک بولی ہونی چاہئے۔ جس میں سب ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کر سکیں اپنے دلوں کا حال بتلا سکیں۔ بھاشاؤں کی کھوج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ بھا وہی سے آدمی کی بولی کا جنم ہوا ہے۔ آدمی کے دل کو پریم نے گدگدایا تو اسے ظاہر کرنے کے لئے آوازوں نے لفظوں کی صورت لی۔ ہندستان کو پریم کے رشتے میں باندھنے کے لئے ایک بولی چاہئے تھی۔ وہ بولی کون سی ہو سکتی تھی۔ وہی جسے ہندوؤں کی پرانی راجدھانی دہلی کے رہنے والے سدا سے بولتے آئے تھے جسے مسلمانوں نے گم نامی کے پردے سے باہر نکالا تھا۔ اور جسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے انیسویں صدی کے شروع میں رواج دیا تھا وہی جو آج آدھے ہندستان کی صیہ پر کھیلتی ہے اور ہمارے کانوں کو سہاتی ہے۔

اس بولی میں اور صوبوں کی بولیوں میں کوئی کھینچ تان نہیں وہ ان کی جگہ لینے کی دعویٰ دار نہیں، اس کا تو صرف اتنا حوصلہ ہے کہ دیس کی عام زبان بنے۔ کیوں کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی ویدیسی بھاشا عام زبان کا کام دے سکے یہ تو سب مانتے ہیں کہ عام زبان کی حیثیت سے ہندستانی ہی سرکاری اور دفتری زبان ہونی چاہئے اس میں راج سبھاؤں کے ممبر اور صوبوں کے نمائندے بحث کریں اسی کے ذریعے کانگریس اور ہندی مجلوں کی بیٹھکوں کی کارروائی ہو سرکاری حکم اور

قانون چھین - عام زبان ہونے کے علاوہ جن حصوں میں یہ بچوں کی ماں کی زبان ہے۔ وہاں اسی کے ذریعے تعلیم بھی ہوتی ہے نہ صرف چھوٹے درجوں میں بلکہ اونچے سے اونچے درجوں میں اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جس زبان کو اتنی زبردست اور گنجھیر سیوا کرنی ہے وہ بازار و بولی نہیں ہو سکتی وہ اونچے ادب اور گہری و دیباؤں کی بھاشا ہوگی۔ بول کے جھیلوں اور آپس کی نا سمجھیوں نے جس زبان کے مددگاروں کو دو ٹولیوں میں بانٹ دیا ہے۔ انھیں مل کر اس کی بیل منٹھے چڑھانی ہوگی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہندوستانی نہ اردو کے خلاف ہے نہ ہندی کی ورو دھی ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں جو چوڑی کھائی بن گئی ہے۔ اس پر پل تیار کرنا چاہتی ہے۔ دورا میں جو الگ الگ ہو گئی ہیں۔ انھیں ملا کر ایسا راج پتہ بنانا چاہتی ہے جس پر ساری قوم ایک ساتھ آسانی سے چل سکے۔

ہندی اور اردو کے الگ ہونے کی وجہ پر دوچار کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک ہی ہے، ہندی لکھنے والے سنسکرت کی طرف اور اردو والے عربی اور فارسی کی طرف جھکتے ہیں۔ جہاں کسی نئی بات کے لئے نئے لفظ کی ضرورت ہوتی جھٹ سنسکرت یا عربی کے بھنڈار کی طرف نگاہ گئی۔ آج کل اپنی زبانوں میں یورپ کی و دیباؤں کو اتارنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ان و دیباؤں میں بہترے ایسے خاص لفظ ہیں جن کا بدل ہماری ہندوستانی بولی میں نہیں۔ ہندی کے لکھنے والے سنسکرت سے اور اردو کے لکھنے والے ان کے لئے عربی سے لفظ ادھار لے رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ ہندی اردو میں اتنا فاصلہ بڑھ رہا ہے کہ ایک کے لئے دوسرے کی

بات سمجھنا کٹھن ہے۔ اگر رویتہ یہی رہا تو اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں سجاؤں، سماجوں، دفاتروں، کچھریوں میں ایسی دورنگی پھیلے گی کہ سارا کام چوڑا ہو جائے گا۔ کیوں کہ جب تک دیسی بھاشا سچے درجوں میں پڑھائی کا ذریعہ ہے اور باقی کام انگریزی سے نکلے ہیں تب تک تو جھگڑا کم ہے۔ لیکن جہاں اس نے انگریزی کی جگہ لبنی شریع کی اور اندھی تعلیم اور قانونی بحثوں کا کام اٹھایا وہیں سنسکرت بھری ہندی اور عربی بھری اردو کے پیاریوں میں گتھم گتھا شریع ہوئی۔ اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ یہ دیس کو ایسی بھیانک کشمکش میں پھنسا دے گا کہ جس سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے۔

اس دکھ دانی جھگڑے کو مٹانے کا ایک ہی اُپائے ہے۔ ہندی اور اردو کے لکھنے والے ان خاص لفظوں کے لئے جنھیں پری بھاشک ثبدا اصطلاحیں کہتے ہیں ایک ہی لفظ مان لیں۔ حساب، سائنس، فلسفہ، کلا کی کتابوں میں دونوں زبانوں میں چاہے وہ ناگری میں چھپیں چاہے عربی حروف میں یہ خاص لفظ ایک ہی ہیں، بچوں، نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کی پڑھائی کے لئے وڈیاؤں کی پری بھاشا میں ایک ہی ہونی ضروری ہیں یوں ہندی اردو کا قضیہ بہت حد تک مٹ جائے گا۔ اور آئندہ کے سمجھوتے کی راہ نکل آئے گی۔ اب رہی ادب کی زبان۔ شعر و شاعری، کوتا کہانی، ناول، قصے، تاریخ، اتھاس وغیرہ کی زبان تو میری رائے میں اس میں پوری آزادی ہونی چاہئے جو چاہئے جس ڈھنگ میں لکھے سبھی زبانوں میں لکھنے کے کتنے ہی ڈھنگ ہوتے ہیں۔ انگریزی کو پیچھے کوئی لکھنے والا اینگلو سیکسن لفظ پسند کرتا ہے تو کوئی لیٹن، کوئی آسان عبارت

لکھتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی کٹھن جسے انے گئے ہی سراہتے ہیں۔ اسی طرح ہماری بھاشا میں بھی کھنے والوں کی کئی پانیتن ہو جائیں گی۔ ایک میں وہ ہوں گے جو فارسی کی طرف بھکتے ہیں دوسرے میں وہ جو سنسکرت کا سہارا لیتے ہیں اور تیسرے میں وہ جو بیچ کی راہ چلتے ہیں۔ اس زبان کو اردو کہئے، ہندی یا ہندستانی اصل چیز ایک ہی ہے۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علم اور ادب، ودیا اور ساہتہ کو ایک ہی لاطھی سے نہیں ہانکنا چاہئے۔ علم یا ودیا کے خاص خاص لفظ دنیا بھر میں بناوٹی اور من مانے ہوتے ہیں ہندی اور اردو میں بھی ایسا ہی ہے۔ ناگری پر چارنی سبھا اور انجمن ترقی اردو کی ڈکشنریاں اس کی گواہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہندستان کے لئے دو طرح کی ڈکشنریاں ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جرمن اور فرانسیسی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ مگر ان کی زبانوں میں اصطلاحیں یا پری بھاشاں ایک ہیں۔ یہی نہیں سارے یورپ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا اور یورپ کی نوآبادیوں میں دنیا بھر میں ایک اصطلاحیں ہیں۔ میری سمجھ میں پری بھاشاؤں کی بہتات ہندستان کے لئے اچھی نہیں۔ اس سے ہماری کٹھنائیں بڑھیں گی میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہندستان کی بھی زبانوں، بنگلہ، مرہٹی، گجراتی، تامل، تملو میں ایک ہی اصطلاحیں ہوں تاکہ بڑھے لکھوں سائنسدانوں اور کھوج کرنے والوں کو ایک دوسرے کی علمی باتوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اردو اور ہندی میں تو ایسا ہونا بہت ہی ضروری ہے، اصطلاحوں کی ایک نیت

کے بنا ہمارا تو کام چل ہی نہیں سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ علم اور ادب
 ودیا اور ساہتہ کی بھاشا پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ہم نے اگر
 ودیاؤں کی پری بھاشائیں اردو اور ہندی میں ایکساں کر دیں تو آگے
 چل کر یہ نتیجہ ہوگا کہ ان کے ساہتیوں کی زبان بھی ایکساں ہو جائے گی۔
 میری رائے میں یہ نتیجہ کسی طرح برا نہیں۔

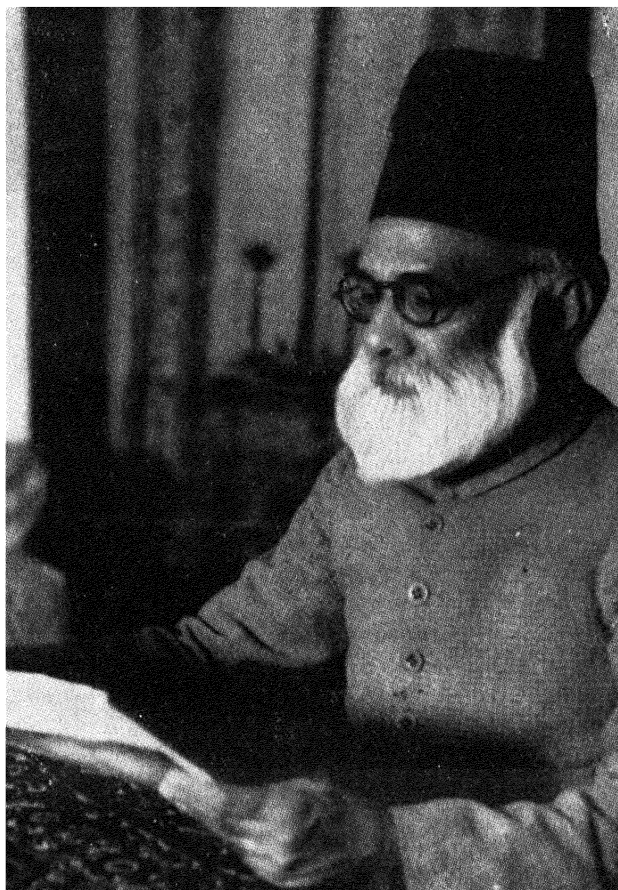
کچھ لوگوں کو ضروریہ ڈر ہے کہ اردو ہندی کے میل سے ایک
 کچھڑی بھاشا پیدا ہوگی جو ساہتہ یا ادب کے لائق نہیں ہو سکتی۔ یہ سراسر
 بھول ہے بھاشائیں تو سبھی کچھڑی ہیں کسی میں باہری لفظ زیادہ ہیں، کسی
 میں کم۔ مثال کے طور پر سنسکرت کو لیجئے اسے بہت شدہ مانا جاتا ہے لیکن
 سچ یہ ہے کہ سنسکرت میں سینکڑوں اناریہ لفظ بھرے ہیں۔ عربی کا بھی
 ایسا ہی حال ہے۔ اس نے نہ جانے کتنے یونانی، فارسی، عبرانی لفظ لے لئے
 اور آج کل نہ جانے کتنے فرانسیسی، انگریزی لفظ لے رہی ہے۔ برج اور
 اودھی میں بہتیرے عربی، فارسی، دراوڑ، مرہٹہ شبد گھسے ہیں۔ اردو تو
 ہے ہی کچھڑی ہندی بھی کتنی ہی بھاشاؤں کے لفظوں کو اپنائے بیٹھی ہے
 دوسری زبانوں کے لفظوں سے کوئی بات بگڑتی نہیں دھنوان ہوتی ہے
 بلوان ہوتی ہے۔ اُدھاریے شبدوں کو نکال ڈالیں تو زبانیں پھکی،
 کمزور بنی ہو جائیں، ساہتہ میں بھداپن جب ہی آتا ہے جب لکھنے والا
 ان بل بے جوڑ لفظوں کو ملاتا ہے، میل وہی کانوں کو اچھا لگتا ہے
 جس میں لفظوں کی آوازوں میں جوڑ ہو، آوازوں سے ایسے سُر نکلیں
 جو لکھنے والے کے مطلب اور معنی کی طرف اشارہ کریں لفظ بھاؤ بھرے

حجے تکے اور صاف سمجھ میں آنے والے ہوں۔ جو لوگ اپنی لیاقت جاننے کے لئے موٹے موٹے انجان لفظ لکھتے ہیں وہ ساہتیہ کو زیادہ بھدا بناتے ہیں، وہ نہیں جو روزمرہ کے جانے پہچانے لفظوں کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہندی کو سنسکرت سے اور اردو کو عربی سے گوندھ دینا چاہتے ہیں ان کے نکت لفظوں کا سوال سبقتا یا تہذیب کا سوال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو تہذیب کے لئے سنسکرت اور مسلم سہتہ کے لئے عربی میں ڈوبی ہوئی بھاشا ہونی نہایت ضروری ہے میری رائے میں یہ بڑی نادانی کی بات ہے۔ اس میں پہلی بھول تو یہ ہے کہ تہذیب کو زبان اور لفظ سے ملا دیا ہے۔ تہذیب کی اصلیت بھاؤ اور وچار ہے۔ وہ بھاؤ جن سے آدمی اپنے جیون کا ارتھ سمجھتے ہیں جو انھیں سکھ کے راستے اور آئندگی منزل کا پتہ دیتے ہیں وہ وچار جن کی چوڑی اور مضبوط نیو پر سماج کا اونچا محل کھڑا ہوتا ہے۔ بھاؤ اور وچار وہ اصلی سونا ہے۔ جس کی ساکھ پر لفظوں اور زبانوں کے کاغذی نوٹ اور ناشی سکے چلتے ہیں۔ لفظوں کی مہنتا کو برطھانا سونے کو چھوڑ ٹھائے پر جی لگانا ہے۔

دوسری بھول یہ ہے کہ یہ لوگ تہذیب کو اٹل اور امر سمجھتے ہیں لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی سہتہ سا ایک سال نہیں رہتی، آدمیوں کے وچار برابر بدلتے رہتے ہیں، سماج کی بناوٹ اور اس کے مبروں کے آپس کے رشتے کبھی ایک ڈھنگ پر قائم نہیں رہتے۔ سو برس سے ہندستان کے جیون میں جو اٹھ بٹھل ہو رہی ہے اُسے کون نہیں جانتا

پرانی وِڈیاؤں کی جگہ یورپ کی نئی سائنس لے رہی ہے، پرانے کاروبار دھندے اور حرفے مٹ گئے، نئی ملیں، کلیں اور کہاں جاری ہو رہے ہیں پرانی ذات برادری، قبیلے فرقے جن سے آدمیوں کے رشتے بندھے تھے۔ ٹوٹ رہے ہیں۔ نئے سنگھٹن اور نئی جماعتیں بن رہی ہیں، ہمیں نہ پرانے راجوں کی نیتی بھاتی ہے نہ سلطانی نہ بادشاہت۔ ہمیں پرجالاج اور سوراج کی چاہت ستاتی ہے۔ ہمارے دلوں سے فرقہ بندی دور ہو رہی ہے اور اس کی جگہ قوم کی محبت لے رہی ہے۔ ہمارے کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے کے ڈھنگ کچھ سے کچھ ہو رہے ہیں ہارنا کلائیں، وِڈیاؤں، سائنس، فلسفہ، پرانی لکیروں کو چھوڑنے پتھوں پر تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔ ہماری زندگی میں انقلاب ہو سکتا ہے اب بھی یہ لوگ پرانی تہذیب کی نشلی نیند سے اٹھا نہیں چاہتے۔

پر یہ لوگ اٹھیں یا نہ اٹھیں، ہمیں ہندوستانی کے بکھرے موتوں کو ایک مال میں گونھنا ہے، پیتیس کرور آدمیوں کو جوڑ کر ایک ایسا بڑا سنگھٹن بنانا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت ہلانہ سکے، ہمارا دل اس دن کی راہ دیکھ رہا ہے جب ہندوستان بھر میں ایک سماج ایک قوم ہوگی۔ بیڑی کی سیلے گاٹھیں ٹوٹ جائیں گی اور سب ہندوستانی ایک دیس پریم کے نلتے میں بندھے ہوں گے۔ ہندوستانی اسی ایکتا کی جیتی جاگتی بوتی نشانی ہے۔



ڈاکٹر مولوی عبدالحق

۳۱ فروری ۱۹۳۹ء

عجیب بات یہ ہے کہ کالج کے انگریز استاد تو اُس زبان کو جس پر میراٹن کی "باغ و بہار" شیر علی افسوس کی آرائش محفل "حیدری کا طوطی" پطش کی "بہار دانش" وغیرہ لکھی گئیں ہندوستانی کہتے ہیں لیکن ان کتابوں کے لکھنے والے اپنی کتابوں کی زبان کو اردوئے معلیٰ، ریختہ یا ہندی کہتے ہیں مثلاً میراٹن نے اپنی کتاب "باغ و بہار" یا "قصہ چہار درویش" کو ایک عرضی کے ساتھ پیش کیا، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "اردوئے معلیٰ کی زبان میں باغ و بہار بنایا" اسی عرضی کے آخر میں یہ شعر ہے۔

سوار دو کی آراستہ کر زبان

کیا میں نے بنگا لاہندوستان

اسی کتاب کے دیباچے میں زبان کی تاریخ بیان کرتے وقت لکھتے ہیں "حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سُنی۔"

میر شیر علی افسوس آرائش محفل میں لکھتے ہیں کہ "اس کے ہم مطالب کو اردو زبان میں لکھنا شروع کیا" مرزا پطش "شمس البیان" میں اپنی زبان کو روزمرہ فصحاء اردوئے معلیٰ کہتے ہیں اور اپنی بہار دانش ہندی میں اس زبان کو ایک ہی شعر کے ایک مصرع میں تو ہندی زبان اور دوسرے میں اردو لکھا ہے۔

شرف اس نے ہندی زبان کو دیا

دیا نظم اردو کو یہ مرتبا

ورچند اشعار کے بعد اسے ریختہ کہتے ہیں

دقائق میں ہے ریختے کے تمام

حیدر بخش حیدری "قصہ حاتم طائی" کی زبان کو زبان ریختہ کہتا ہے۔ میرامن "گنج خوبی" میں گلگرسٹ کو "اردو کا قدر داں" لکھتا ہے۔ مہر چند لکھتری لاہوری اپنی کتاب "نو آئین ہندی" میں لکھتا ہے کہ اس نے قصہ آذر شاہ "اور" سمن "نخ" کو فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر جان گلگرسٹ اپنی تصانیف میں ہندستانی اور اردو دونوں لفظ اسی ایک زبان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گارسان دتاسی کا بھی یہی حال ہے لیکن وہ زیادہ تر ہندستانی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بابوشیو پرشاد نے بھی "جام جہاں نما" کی زبان کو اردو بتایا ہے۔ کلکتہ بیٹسٹ مشن نے جو انجیل مقدس کا ترجمہ چھاپا تھا اس کے سرورق پر لکھا ہے "یونانی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا" لیکن اس کے نیچے انگریزی زبان میں In the Hindustani language لکھا ہے۔ بابو کاشی ناتھ بسواس کرانی اپنی کتاب "قصہ سوسن مسمی بہ گل دستہ انجمن" کے سرورق پر لکھتے ہیں "انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا" ڈاکٹر ای بے لانس "راہن سن کر دسو" کے ترجمے اور مسٹر جیس کورکون اپنی "تایخ چین" اور ڈاکٹر فریڈرک جان اپنی اصول تشریح کی زبان کو اردو ہی کہتے ہیں اسی طرح دہلی کالج، علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی، مرزا پور سیریز کی جتنی کتابیں چھپیں ان سب پر اردو ہی کا لفظ لکھا ہے۔

غرض وہ تمام کتابیں جن کے نام میں نے لئے ہیں اسی زبان میں ہیں جسے ہم آجکل اردو کہتے ہیں۔ انگریز اسے ہندستانی کہتے تھے ہندستانی سے ان کی مراد وہ صاف اور فصیح زبان تھی جو بول چال میں

آتی تھی۔ یعنی ایسی زبان جو مقفی، مسیح اور پرتکلف نہ ہو جس کا رواج اس زمانے کی بعض کتابوں میں پایا جاتا تھا۔ اردو، ریختہ، ہندی اُس زمانے میں ہم معنی لفظ تھے۔ چنانچہ مرزا جان طیش نے اپنی کتاب "شمس البیان" میں ہندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "ہندی عبارت از زبان موزون دہلی است، یعنی ہندی سے مراد دہلی کی فصیح زبان ہے۔ جدید ہندی جس کی اشاعت کی آج کل کوشش کی جا رہی ہے نئے زمانے کی پیداوار ہے۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جنم لیا۔ دراصل یہ اردو کا بچہ ہے وہ اس طرح کہ عربی فارسی کے لفظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت لفظ بٹھادئے تھے۔ مختصر یہ کہ ہمارا ادب 'ہندوستانی کے لفظ سے خالی ہے۔ اردو کے کسی مستند اہل زبان اور غالباً ہندی کے اہل زبان نے بھی اس لفظ کو زبان کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں کیا۔

جب اس زمانے میں ہندی اردو کے جھگڑے نے زور پکڑا اور دونوں فریق ایک دوسرے کی مخالفت پرتے ہوئے تھے تو اٹلین نیشنل کانگریس نے رفعِ شر کے خیال سے ہندوستانی کا لفظ اختیار کیا اور اسی کو ہندوستان کی عام زبان قرار دیا لیکن کانگریس نے اس کی کوئی تعریف نہیں کی اور نہ یہ بتایا کہ اس سے کیا مطلب ہے۔ وہ شاید اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اور یہ اچھا ہی ہوا۔ کیوں کہ آج کل سیاسی لوگوں نے جہاں اور چیزوں کو سیاست میں سان لیا ہے، غریب زبان بھی ان کی نظر کرم فرما کا شکار بن گئی ہے۔

اب سوچ بچار کے بعد ہندوستانی کے یہ معنی قرار پائے ہیں کہ

وہ زبان جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی جاتی ہے اور جو فیض اور نامانوس سنسکرت اور عربی فارسی الفاظ سے پاک ہے۔ اصل میں ہندوستانی کی یہ تعریف ڈاکٹر گرین کے بیان سے لی گئی ہے اور اس تعریف کو اکثر ان لوگوں نے قبول کر لیا ہے جو ہندوستانی کے حامی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حقیقت میں یہ کوئی زبان ہے بھی؟ اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جسے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے انگریز ہندوستانی کہتے تھے اور ہمارے اُس وقت کے ادیب ریختہ، ہندی اور اردو سے موسوم کرتے تھے تو بے شک یہ ایک زبان ہے اور اب بھی ہندوستان میں بولی اور لکھی پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جو آج کل بعض حدت پسند حضرات نے گھڑنی اور ڈھالنی شریع کی ہے۔ تو وہ ہمارے ملک کی زبان نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان لی جائے جو دو نوں ہندی اردو بولنے والوں میں مقبول ہو تو وہ ابھی وجود میں نہیں آئی۔ بول چال کی زبان کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن جہاں ادب کی سرحد آتی ہے تو وہ رہ جاتی ہے۔ گاندھی جی نے ہندی ہندوستانی کا لفظ ایجاد کیا تھا چونکہ بے جوڑ تھا، مقبول نہ ہوا۔

نتیجہ یہ کہ آسان اردو کا نام ہندوستانی ہوا۔ آپ فرمائیں گے کہ آسان ہندی کو ہندوستانی کیوں نہ کہیں؟ ضرور کہئے، کیونکہ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں، جدید ہندی اردو ہی کا تو بچہ ہے۔ رہی یہ بات کہ زبان سادہ اور آسان ہو، تو بول چال میں تو عموماً سادہ ہی ہوتی ہے۔ یا جب بچوں یا معمولی پڑھے لکھوں کے لئے کوئی کتاب یا قصے کہانیاں لکھی جاتی ہیں

تو بھی زبان سادہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ کچھ ہماری عادت ہی پر موقوف نہیں دنیا کی سب زبانوں کا یہی حال ہے۔ مگر جب کوئی اچھی نظم لکھنی ہوتی ہے یا علمی یا ادبی بحث آپڑتی ہے تو سادہ زبان کا نبھانا مشکل ہو جاتا ہے محض زبان کا آسان ہونا کافی نہیں۔ اس میں جان، اثر اور لطف بھی ہونا چاہئے۔ اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ایسی زبان صرف کامل ادیب ہی لکھ سکتے ہیں ورنہ ایسی تحریر سے کیا فائدہ جو سٹا بے مزہ اور بھدی ہو۔ دوسرے ہر ایک کا طرزِ تحریر الگ ہوتا ہے۔ کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کا کوئی ڈھنگ۔ یہ ہر ایک کے مزاج اور افتادِ طبیعت پر منحصر ہے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ یوں نہیں یوں لکھو، اگر مجبور کریں بھی تو ممکن نہیں وہ نیا ڈھنگ تو کیا اختیار کرے گا اپنا بھی بھول جائے گا۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ یہ جو آج کل چاروں طرف "آسان آسان" کا پرچار کیا جا رہا ہے مجھے تو یہ کچھ بے جا سا معلوم ہوتا ہے۔ لفظ کوئی بے جان چیز تو ہے نہیں، جہاں جا با اٹھایا رکھ دیا۔ اس کے گنتوں کے پرکھنے والے مشاق ادیب ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی اعلیٰ درجے کے ادیب یا شاعر کا کلام اٹھا کر دیکھے ہر لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نگینہ ہے جو اپنی جگہ جڑا ہوا ہے۔ اسے بدل کر کوئی دوسرا لفظ رکھ دیجئے ساری لطافت اور نزاکت خاک میں مل جائے گی علاوہ اس کے آسان اور مشکل اضافی لفظ ہیں۔ یعنی ایک چیز جو مجھے مشکل معلوم ہوتی ہے، دوسرا اُسے آسان سمجھتا ہے۔ جسے میں آسان سمجھتا ہوں وہ دوسرے کے نزدیک مشکل ہے۔ اس سے آسان اور مشکل کی کوئی حد مقرر نہیں ہو سکتی۔ یہ ذوق کی بات ہے۔ اور ادب میں یہی منزل بڑی

کٹھن ہے۔ وہاں آسان اور مشکل کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ لفظ موقع اور محل کے مناسب ہے یا نہیں۔ اگر آسان لفظ بھی بے محل آگیا تو ایسا ہی بُرا ہے جیسا بے موقع مشکل لفظ، البتہ یہ ضرور ہے کہ بیان پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ ہو۔ سادگی اور آسانی کے یہی ایک معنی ہو سکتے ہیں۔

گاندھی جی، بابور اجنڈا پر شاہ اور ان کے ساتھیوں نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہندی یا ہندوستانی میں سنسکرت لفظ ملانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ اُسے بنگال اور جنوبی ہند کے لوگ سمجھ سکیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب بنگال اور جنوبی ہند میں جائیں تو ایسی ہی سنسکرت ملی زبان میں بات چیت یا تقریر کریں اور جب صوبہ سرحد اور پنجاب میں جائیں تو فارسی عربی ملی زبان میں تو ایسی صورت میں ہندوستان کی ایک مشترکہ زبان کہاں رہی جس کے لئے یہ سب جتن کئے جا رہے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سنسکرت ملی زبان ہی کی وجہ سے جنوبی ہندو اے ہندی یا ہندوستانی کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کو یہ بدگمانی ہے کہ ہندی کے چلے سے سنسکرت زبان پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ہم ان کی زبان اور لکچر کو مٹانا چاہتے ہیں۔

ہماری زبان اگر زندہ زبان ہے تو اس میں نئے نئے الفاظ آتے ہی رہیں گے، خواہ وہ کسی زبان کے ہوں اس سے کوئی زندہ زبان نہیں بچ سکتی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ مدت سے رائج چلے آ رہے ہیں انھیں خارج کر دیں اور ان کی جگہ ڈکشنریوں میں سے

ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بے ڈول، بے ڈھنگے اور کرخت لفظ داخل کر دیں جن کے ادا کرنے میں زبان کئی کئی قلابازیاں کھائے اور کانوں کے پردے پھٹنے لگیں۔ جو لفظ پہلے سے رائج ہیں اور ہماری زبان میں گل مل گئے ہیں خواہ کسی زبان کے ہوں وہ اب ہمارے ہیں، غیر نہیں۔ انھیں غیر سمجھ کر نکالنا سراسر حماقت ہے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ اپنی زبان کے دوست نہیں دشمن ہیں۔

نئے لفظوں کے داخلے میں بھی زبان کی فطرت اور ذوق کو بڑا دخل ہو اندھا دھند اور زبردستی لفظ داخل نہیں کئے جاسکتے۔ جو بندھ گیا سو موتی جو کھپ گیا وہ ہمارا اور جو نہیں کھپا وہ سو غیروں کا غیر۔

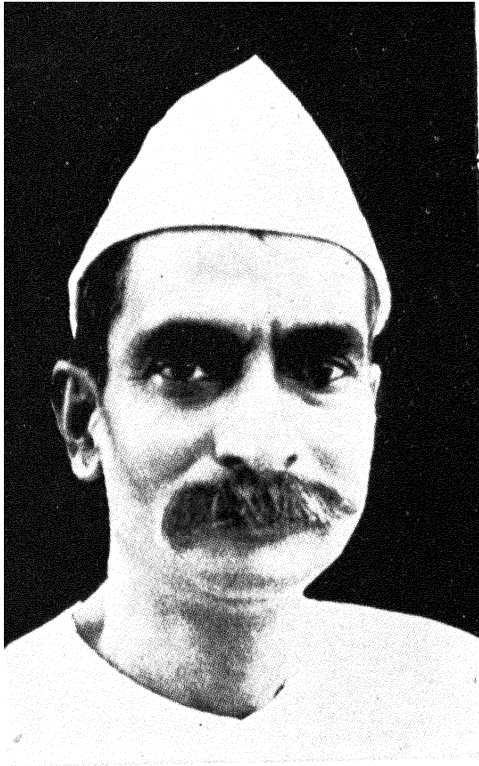
بہار گورنمنٹ نے ایک ہندستانی کمیٹی بنائی ہے اور ہندستانی زبان کی گریمر، لغت اور مدرسوں کے لئے ریڈریں لکھوانی تجویز کی ہیں۔ ابتدائی جماعتوں کے لئے ریڈریں اس زبان میں لکھنا تو کچھ مشکل نہ ہوگا لیکن اونچے درجوں کے لئے جہاں زبان کی ادبی شان بھی رکھنا ضروری ہوتی ہے کتابیں لکھنے میں مشکل پڑے گی۔ اس سے زیادہ مشکل اصطلاحات کے بتانے میں ہوگی۔ اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر اس نے بیج کا کوئی ایسا راستہ نکال لیا جو مقبول ہو سکے تو یہ اس کی بڑی چیت ہوگی۔ کم سے کم آپس کی بات چیت اور کاروبار کے لئے بہت کارآمد ہوگی۔

اس کے بعد اگر کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ ہندستانی زبان کسے کہتے ہیں تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ جس زبان میں میں نے آج تقریر کی ہے یہی ہندستانی ہے۔

ہماری تنقید کے لئے دو جملے دئے گئے ہیں ایک جملہ یہ ہے۔
 "فیڈرل لیجس لیجر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے
 سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی، اس کے بارے میں سٹرن ان
 سرکار لا ممبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی" اس جملے میں اگرچہ فیڈرل
 لیجس لیجر، لا ممبر اور اسمبلی کے لئے انگریزی لفظ استعمال کئے گئے ہیں، لیکن
 جملے کا مطلب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ روشنی ڈالنا انگریزی محاورہ کا
 ترجمہ ہے۔ لیکن اب روشنی ڈالنا اور روشنی پڑنا اردو میں استعمال ہونے
 لگے ہیں اور ان کا مفہوم کسی دوسرے لفظ سے اس خوبی سے ادا نہیں
 ہوتا۔ جس طرح پہلے فارسی محاوروں کے ترجمے ہماری زبان میں داخل ہوئے
 تھے اب بعض انگریزی محاوروں کے ترجمے داخل ہو رہے ہیں۔ یہ کوئی
 عیب کی بات نہیں بشرطیکہ زبان میں کھپ جائیں۔ اس سے زبان میں سوت
 ہوتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ ہے۔

سینکٹ پرانٹیہ ویوسٹھا پکاریشد میں ایک پرشن کا اُتر دیتے ہوئے
 نیائے منتری ڈاکٹر کا بٹونے ان اڈیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی
 اُنتی کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے"
 اس جملے میں سنکرت لفظوں کی بھرمار ہے اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا
 یہ ہماری زبان نہیں۔ یہ سراسر بناوٹی زبان ہے۔



بابورا جندر پر شاد

۲۲ فروری ۱۹۳۹ء

ہندستانی اس بولی کو کہتے ہیں جس کو اتر ہندستان کے سب ہی
 رہنے والے چاہے وہ ہندو ہیں یا مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ ناگری اور فارسی
 دونوں اکھروں میں لکھی جاتی ہے۔ کانگریس نے اسی کو سارے ہندستان
 کے لئے قومی زبان یا راشٹر بھاشا مان لیا ہے اور جہاں کے لوگ
 اسے سمجھ نہیں سکتے ہیں وہاں اس کو پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے
 اس لئے اس کی عزت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اور اس کی شکل کیا ہونی چاہئے؟
 اس پر بھی بہت چرچا ہونے لگا ہے۔ ہندستانی کے دو روپ کہے جاسکتے
 ہیں۔ ایک جس کا نام ہندی ہے، اس میں ہندی کے شبہ بہت آتے ہیں
 دوسرا اردو جس میں اسی طرح فارسی اور عربی کے لفظ بہت آتے ہیں۔

ویاکرن ایک ہونے پر بھی دونوں کے لکھنے میں فرق پڑ گیا ہے اور وہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جو سنسکرت کے شبد آتے ہیں ان کا کہیں کہیں ہندی کے ویاکرن کے مطابق دیوہار نہیں کر کے سنسکرت ویاکرن کے بھی مطابق دیوہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح فارسی اور عربی کے لفظوں کو عربی اور فارسی کا جامہ کہیں کہیں پہنایا جاتا ہے۔ کچھ کٹر لکھنے والے یا بولنے والے اگر وہ ہندی کے پریمی ہیں تو فارسی اور عربی کے لفظوں کو اور اگر وہ اردو کے حامی ہیں تو سنسکرت کے شبدوں کو چُن چُن کر اپنے لیکھوں سے نکال دیتے ہیں اور سنسکرت، فارسی یا عربی کے لفظوں کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندی اور اردو ایک دوسرے سے الگ بھاگتی جا رہی ہیں۔ ہندوستانی بیچ کا راستہ لیتی ہے۔ وہ نہ تو سنسکرت کے شبدوں کا وہشکار کرتی ہے اور نہ فارسی عربی کے لفظوں کو خارج کرتی ہے، اس کا اپنا ویاکرن ہے جس کو وہ ہمیشہ کام میں لاتی ہے اور سنسکرت یا فارسی عربی کے قاعدے سے کام نہیں لیتی ہے۔ اگر ان کے کسی شبد کو لیتی ہے تو اس کو اپنا جامہ پہناتی ہے اور اپنے میں ملا لیتی ہے۔

انگریزی جملے کا ہندی یا اردو ترجمہ دو اخباروں سے دے کر میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان میں اور ہندوستانی میں کیا فرق ہے اور کون سب کے لئے سہل ہو سکتی ہے۔

The preliminary step to be taken in connection with the preparation of electoral rolls for the Federal Legislative

were indicated by Sir Nripendra Nath Sirkar, the Law Member in the Central Assembly to-day.

فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار
کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی
اس کے بارے میں سر 'ان' ان 'سرکار لائبر نے آج
اسمبلی میں روشنی ڈالی۔

اس میں "فہرست رائے دہندگان" ہندوستانی قاعدہ نہیں بلکہ
فارسی قاعدے کی اضافت کا نمونہ ہے، پھر رائے دہندگان "بھی فارسی
قاعدے کے مطابق ہے،" رائے دہندہ "کا جمع یا بھونچن بنایا گیا ہے،
ہندوستانی قاعدے کے مطابق نہیں۔ میری سمجھ میں اس کی صحیح ہندوستانی
شکل یہ ہونی چاہئے۔

"فیڈرل لیجس لیچر کے لئے رائے دینے والوں کی
فہرست تیار کرنے میں جو شروع میں کارروائی کی جائے گی
اس کو لائبر سر 'ان' ان 'سرکار نے آج اسمبلی میں کچھ
بتلایا۔"

Replying to a question in the United Provinces Legislative Assembly to-day, Dr. Katju, Minister for Justice, gave a list of grants-in-aid which the Government had sanctioned for the purpose of improvements in new fields of manufacture.

”سنیوکت پر انتیہ ویو ستھا پکا پریشد نے ایک
 پرشن کا اُتر دیتے ہوئے نئے منتری ڈاکٹریٹو
 نے اُن اڈیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی اُنتی
 کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے“

اس میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں ویا کرن تو ہندستانی ہی کا
 استعمال ہوا ہے مگر جو شبد آئے ہیں وہ سنسکرت کے ہیں اور ایسا معلوم
 پڑتا ہے کہ جیسے فارسی عربی کے لفظ جان بوجھ کر نکالے گئے ہیں۔ پرشن
 اور اُتر ”سوچی“ اور ”سہایتا“ سنسکرت کے شبد ہیں۔ فارسی اور عربی
 سے لئے گئے سوال جواب فہرست اور مدد کچھ کم چالو نہیں ہیں۔ اڈیوگ
 دھندوں کے بدلے میں صرف دھندا کافی ہو سکتا ہے۔ ہندستانی میں
 کسی شبد کا دہشکار نہیں ہے، چاہے وہ کسی بھی بھاشا کا ہو لے لیا جاتا
 ہے۔ یہاں تک کہ جیسا اوپر دکھلایا گیا ہے انگریزی کے لفظ لئے گئے
 ہیں۔ پہلی مثال میں فیڈرل لیجس لیچر جوں کا توں رکھا گیا ہے دوسری
 میں لیجس لیٹو اسمبلی کا انتھا دیو استھا پکا پرشد سے کیا گیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس جھگڑے کا پٹنارا ایک طرح سے ہو سکتا ہے
 کہ جتنے عربی فارسی کے لفظوں کو ہندی کے اچھے لکھنے والوں نے
 استعمال کیا ہے اور جتنے سنسکرت کے شبدوں کو اچھے اردو لکھنے والوں
 نے دیوہا رکیا ہے ان کو ہندستانی میں لے لینا چاہئے اور اُن کے علاوہ
 بھی نئے لفظوں کا دہشکار اس لئے ہی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کسی خاص
 زبان سے لئے گئے ہیں بلکہ اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کہاں تک جلد

لوگوں میں چل گئے ہیں یا چل جائیں گے۔ اگر وہ آسانی سے لوگوں کی سمجھ میں آجاتے ہیں تو ان کو نکالنا ہندوستانی کو کمزور بنانا ہوگا۔ آج کل بہت سے نئے لفظ گھڑنے ہوں گے کیونکہ نئے و چار پھیل رہے ہیں، نئے معنی سامنے آ رہے ہیں جن کے لئے ہندی اور اردو میں بھی لفظ نہیں ہیں ان کے لئے لفظ سنسکرت یا عربی فارسی سے ہی بنائے جاسکتے ہیں۔ اس میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ آسانی سے بولے اور سمجھے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہیں کہیں انگریزی کے شبہ ہم کو رکھ لینا پڑے اس سے ہماری ہندوستانی کمزور نہیں ہوگی مگر ہم کو اپنے دیا کرن کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ "سیٹشن" مشبہ لینا ہی ہے تو اس کا بہو وچن "سیٹشنز" نہیں کرنا چاہئے بلکہ "سیٹشنوں" یا "سیٹشنیں" ہی ہونا چاہئے، "رائے دہندگان" سے "رائے دینے والے" کہیں اچھا ہے اور "رائے دہندگان" تو کسی حالت میں نہیں ماننا چاہئے اگر "رائے دہندہ" لیا بھی جائے تو اس کا بہو وچن (جمع) "رائے دہندوں" سے ہونا چاہئے۔

اس لئے میری رائے میں اپنے دیا کرن کو اچھوتا اور شدہ کرنا چاہئے۔ لفظوں کو کسی بھی بھاشا سے وہ کیوں نہ آئے ہوں اگر چل گئے ہوں اور چل جانے کے لائق ہوں آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہوں تو لینے میں جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا کرنے سے ہی ایک معنی والے کئی لفظ ہندوستانی میں آویں گے اور جب لفظوں کا خزانہ بڑھے گا تو ان کے معنی میں بھی فرق پڑے گا اور باریکی آوے گی۔ اس لئے لفظوں کے نکالنے کی کوشش ٹھیک نہیں سمجھتی ہے۔

اونچے درجے کے ساتھ (ادب) کے لئے جو بھاشا ہوتی ہے وہ معمولی بول چال کی بھاشا سے کچھ الگ ہو ہی جاتی ہے، اس لئے ہندی اور اردو کا ساتھ دیا کرن ایک ہونے پر بھی الگ ہوا ہے اور ہوتا جاتا ہے؛ جس نے سنسکرت پڑھی ہے یا سنسکرت بھری ہندی پڑھی ہے وہ اسی طرح کی ہندی زیادہ لکھے گا جس میں سنسکرت زیادہ ہو۔ جس نے فارسی عربی زیادہ پڑھی ہے اس کی بھاشا میں فارسی عربی کے لفظ زیادہ آویں گے۔ یہ تو سوا بھادک یا قدرتی بات ہے۔ اس لئے اس بہاؤ کو روکنا مشکل ہے۔ تو بھی ہندوستانی جو سب لوگوں کی زبان بننے کا دعویٰ کرتی ہے اپنے کو ایسے روپ میں ہی رکھنے کی کوشش کرے گی جس میں اس کو سب ہی جان اور بھان سکیں اور اگر چاہیں تو اس کی کچھ سیوا اور خدمت کر سکیں۔

ہندوستانی کو ہم کوئی نئی بھاشا یا نئی زبان نہیں جانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ ہندی یا اردو سے کوئی الگ چیز جو بھاشا کی پہچان جیسا میں نے پہلے کہا ہے اس کے دیا کرن (قاعدے) سے ہوتی ہے، ہندی اردو اور ہندوستانی کا دیا کرن (قاعدہ) کیا ہے۔ اس بارے میں اگر ہندی اور اردو میں کوئی فرق ہے تو وہ کوئی مہنت (اہمیت) نہیں رکھتا۔ فرق ہے شبدوں کا اور اگر جو شبد دونوں استعمال ہوتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ بناتے ہیں، دونوں برابر سمان روپ سے استعمال ہونے لگ جائیں تو شبدوں کا خزانہ بھی بہت بڑا ہو جائے اور ان کے معنی میں باریکی بھی بہت آجائے۔ ہندوستانی جو بیچ کار استہلیتی ہے یہی کوشش کرتی ہے کہ ایسے لفظ آتے جائیں جو لوگوں میں سہل میں پھیلانے جا سکیں

میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ گاؤں کے لوگوں کی بولیوں میں بھی بہت اچھے معنی دار لفظ ہیں جن کا ارتھ ادا کرنے والا ہندی اور اردو کا کوئی لفظ جلد نہیں ملتا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو گاؤں میں ہی استعمال میں آتی ہیں اور ان کے نام بھی دیہاتی بولی میں ہیں۔ ہم اکثر ایسا دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ ایسے لفظوں کا استعمال کرنا دیہاتی بن جانتے ہیں اور ان کے بدلے میں بھدے سنسکرت یا فارسی عربی کے لفظ ڈھونڈھ نکالتے ہیں جو صرف ترجمہ ہوتے ہیں، معنی رکھنے والے لفظ نہیں ہوتے۔ ہم کو یہ بھی چھوڑنا ہوگا اور ہندوستانی یا ہندی یا اردو کو ایسے دیہاتی گنوار و لفظوں کو بھی اپنے میں شامل کرنا ہوگا۔ اگر ہندوستانی کو چند لکھے پڑھے لوگوں کی ہی زبان نہیں رہتا ہے، اگر اُس کو گاؤں کے ان پڑھوں تک پہنچا ہے، اگر وہ کیول محلوں کی زبان نہ رہ کر جھونپڑوں تک بھی پہنچا جاتی ہے تو اس کو سنسکرت، عربی اور فارسی کے ہاتھوں پر سے اتر کر گھروں کی بولی کے پیروں پر پاؤں پیادے چلنا ہوگا۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ ہندوستانی سارے ہندستان کی قومی زبان یا راشٹر بھاشا مانی گئی ہے۔ ہندستان بہت بڑا دیش ہے، اس میں کئی صوبے ہیں اور ان صوبوں کی الگ الگ بھاشائیں ہیں اور ان میں کئی بھاشاؤں میں سنسکرت کے شبہ معمولی بول چال کی ہندی یا ہندوستانی کے مقابلے میں زیادہ آتے ہیں۔ بنگالی کو ہی یسے اس میں سنسکرت کے بہت لفظ ہیں اور بنگالی بنگال کے سب رستے والے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس میں بھی فارسی اور عربی کے شبہ ہیں مگر کم۔ اگر وہاں ہم بہت فارسی اور عربی والی

ہندوستانی بولیں گے تو لوگوں کو سمجھنے اور بولنے میں ادھک کھٹائی ہوگی مگر اگر ادھک سنسکرت والی بولی بولیں تو وہ آسانی سے لوگ سمجھ اور سیکھ سکیں گے اسی طرح فرنٹیر میں ہم زیادہ عربی فارسی والی ہندوستانی بولیں گے تو وہاں کے لوگ اُسے آسانی سے سیکھ اور سمجھ لیں گے مگر ادھک ملی بھاشا وہ نہیں سمجھ اور سیکھ سکیں گے۔ اس لئے ہندوستانی میں گذار ادو تو کا ہے اور ہونا ہی چاہئے اس کے اچھے جاننے والے کو جسے اردو اور ہندی کہتے ہیں دونوں سے پورا پریم رہنا چاہئے اور وہ جہاں جس طرح لوگوں میں باتیں کرنا چاہتا ہے یا جیسے لوگوں کے لئے لکھنا چاہتا ہے ان کا خیال رکھ کر اپنی بھاشا میں ادھک سنسکرت یا فارسی عربی کے شبدوں کا دیو ہار کرنا چاہئے۔

اس کے لئے میری سمجھ میں ایک ایسا لغت یا کوش بنا چاہئے جس میں ہندوستانی میں چالو سنسکرت اور عربی فارسی کے لفظوں کے معنی دئے ہوں۔ سکولوں اور کالجوں کے لئے قریب دو تین ہزار ایسے معمولی لفظ دونوں سے لئے جائیں جو بہت چل گئے ہیں۔ اور جن کا جاننا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ مثال کے لئے دو لفظ لیجئے جو بہت پرچلت ہیں: کاریہ کارنی، سمت اور مجلس عاملہ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ ایک ہندی اور دوسرا اردو کے اخباروں میں روزانہ آتا ہے۔ سب کے لئے دونو کا جاننا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد دونوں کے معنوں میں کچھ باریک فرق پڑ جائے۔ تب زبان زیادہ دھنی ہو جائے گی اور اس باریکی کو ٹا ہر کرنے کے لئے اس کے پاس دو لفظ ہو جائیں گے۔ اسی طریقے سے ہم آج کے جھکڑے کو کم کر سکتے ہیں اور راشٹر بھاشا کی بھی اتنی کر سکتے ہیں۔

ہندستان ایک باغ ہے اس میں طرح طرح کے پھول پودے لگے ہیں جب سب اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے اور اپنے اپنے سے پر پھولیں پھلیں گے تو باغ کی خوبصورتی بڑھے گی۔ اگر ایک دوسرے کی خوراک چھیننے کی کوشش کریں گے تو سوکھ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ زیادہ پھل جائیں مگر باغ کی وہ سندرતા نہیں رہے گی اور نہ ہم اس کو دیکھ کر خوش ہی ہو سکیں گے اس لئے اس زبان کے باغ کو ہر ابھر کر ناٹح طرح کے نت نئے پھول پھل لانا اور ساسے باغ کو روز بروز زیادہ خوبصورت بنانا ہمارا دھرم ہے اور ہندستانی یہی کرنا چاہتی ہے، آپ سب اس کی مدد کریں۔



ڈاکٹر ذاکر حسین خاں

۲۳ فروری ۱۹۳۹ء

مولیٰ کے ایک ڈرامے میں ایک صاحب ہیں موسیٰ و ژور دیں۔ ”نشر“
 یہ نہ جانتے تھے کہ کسے کہتے ہیں۔ جب کسی نے بتایا کہ آپ جو بولتے ہیں یہی نشر
 ہے تو انھیں بڑا ہی اچھٹا ہوا کہ چالیس برس سے بولتا ہوں اور یہ خبر نہیں کہ یہی
 ”نشر ہے۔ بار بار پوچھتے تھے کہ یہی جو میں کہتا ہوں ذرا میری جوتیاں ادھر
 دے دینا“ اور ”ذرا میرے رات کے کپڑے اٹھا دینا“ یہی نشر ہے، نشر!“
 مگر کیا کیجئے کہ یہی ہے نشر!

اسی طرح کچھ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہندوستانی کیا ہے! اردو، ہندی،
 ہندوستانی کا جھگڑا کچھ اس ڈھنگ سے چل رہا ہے اور لوگ اس کے سلجھانے
 میں وہ وہ ابھراؤ ڈال رہے ہیں کہ سیدھی سادی بات کھٹائی میں پڑ گئی ہے
 ڈرتا ہوں کہ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب دوں تو لوگ موسیٰ و ژور دیں

کی طرح اچھنے میں نہ پڑ جائیں۔ مگر کیجئے کیا کہ بات ہے ہی سیدھی سادی! ہندستانی بس وہ زبان ہے جس میں اس وقت آپ سے باتیں کر رہا ہوں اور جسے آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ کی اور میری طرح ہزاروں لاکھوں نہیں ہمارے دیس گئے کڑوڑوں بسنے والے ہندو مسلمان اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ شمالی ہندستان میں عام طور پر یہی بولی سمجھی جاتی ہے۔ پھر سارے ہندستان میں اس کے بولنے سمجھنے والے پھیلے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ جو اسے بولتے نہیں تو سمجھتے ہیں۔ شہروں میں تو اس کا اور بھی چلن ہے۔ کسی بڑے شہر میں چلے جائیے اس کے بولنے والے اور اس سے زیادہ سمجھنے والے مل جائیں گے۔

میری یہ بات سُن کر کہ ہندستانی وہ ہے جو میں آپ سے بول رہا ہوں شاید کوئی صاحب بول اٹھیں کہ آپ جو بول رہے ہیں یہ تو اردو ہے۔ تو میں کہوں گا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ ہندستانی اردو بھی ہوتی ہے۔ اچھی ہندستانی کی تو پہچان ہی یہی ہے کہ نہ اردو والا اس میں عیب نکال سکے، نہ ہندی والا اس پر کہیں اچھنی دھر سکے۔ زبان کی پرکھ میں ہمارے مولوی عبدالحق صاحب کا مرتبہ سب ہی جانتے ہیں۔ انھوں نے انشاء اللہ خاں کی ”رانی کینگی“ پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں باتوں باتوں میں ہندستانی کی کیا اچھی پہچان بتا دی ہے۔ فرماتے ہیں اسے اردو والا بھی سمجھتا ہے اور ہندی والا بھی۔ زبان اور بیان دونوں صاف ہیں۔ اسی کا نام ہندستانی ہے۔“

”مگر رانی کینگی کی کہانی میں تو انشاء اللہ خاں نے فارسی عربی کا ایک لفظ نہیں برتا ہے اور آپ تو اتنی سی دیر میں کوئی دس بیس لفظ عربی فارسی کے بول چکے“ ہم آسنے سامنے ہوتے تو آپ میں سے کوئی صاحب ضرور یہ فرمادیتے

اور ٹھیک فرماتے، ہاں، میں نے عربی فارسی کے لفظ بولے اور اس لئے بولے کہ میں ہندستانی بول رہا ہوں اور ہندستانی میں عربی فارسی کے ہتیرے لفظ ہیں، اس میں ترکی لفظ بھی ہیں، پرنگیزی لفظ بھی ہیں، انگریزی لفظ بھی ہیں اور نہ جانے اور کس کس زبان کے لفظ اس میں ہوں گے۔ جو پنڈت لفظوں کے جنم پترے پڑھا کرتے ہیں وہ کھوج لگایا کریں کہ یہ لفظ کہاں کا ہے اور وہ لفظ کہاں کا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ یہ میری زبان کے لفظ ہیں جنہیں اُٹھتے بیٹھتے بولتا ہوں اور جن سے بولتا ہوں وہ انہیں سمجھتے ہیں اور ایسے سمجھنے والے دس میں نہیں کروڑوں ہیں۔

لیکن وہ صاحب جو مجھ سے ابھ بیٹھے ہیں فرمائیں گے کہ صاحب ہمیں یہ کھڑی ذرا نہیں بھاتی۔ یہ بھلا کیا بات ہوئی، کچھ یہاں کی کچھ وہاں کی نہ پورا تیر نہ پورا بیڑا زبان تو بس اپنی ہی ہونی چاہیے، سڈیشی اور شدھ۔ جی ہاں، میرے سامنے اس وقت ایک ایسی ہی سڈیشی اور شدھ عبارت ہے۔ ایک اخبار نے انگریزی کی ایک خبر کا ترجمہ چھاپا ہے کہ "سنلیت پر انتیہ ویوستھا پکا پرشد میں ایک پرشن کا اثر..... دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹھونے ان اڈیوگ دھندوں کی سوچی ہی جن کی انتی کے لئے سرکار نے سہائتا دینا سوچا کیا ہے۔ یہ میری زبان کی عبارت نہیں ہے اس لئے کہ میری سمجھ میں نہیں آئی، میں نے اسے انگریزی کی مدد سے سمجھا۔ ہندستانی والا جودل میں کسی لفظ سے دشمنی نہیں رکھتا

United Provinces Legislative Assembly

کے لئے جھٹ یوپی کی اسمبلی لکھ دیتا اور سب سمجھتے۔ شمالی ہندستان میں سوال جواب، عدالت، وزیر، فہرست، مدد، منظور کون نہیں سمجھتا۔ پرشن

اور اُتر، نیائے منتری، سوچی، سہاتیا اور سوچا رکھی کچھ لوگ ضرور سمجھتے ہوں گے مگر بہت سے نہیں بھی سمجھتے۔ ہندستانی والا وہ لفظ لکھتا جو سب سمجھتے کم سے کم یہ تو نہ ہوتا کہ وہ جان جان کر پر دیسی لفظ نکالتا اور پھر بھی ایک سُرکاز رہ ہی جاتا۔

اس کے جواب میں شاید میرے فرضی دوست مجھے ایک دوسرے اخبار سے یہ عبارت سنا دیتے: "فیڈرل لپس لپچر کے لئے فہرست لائے دہنگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی اس کے بارے میں سر این این سرکار لائبریری آج پہلی میں روشنی ڈالی" کہئے یہ ہے ہندستانی؟ میں کہتا کہ یہ میری ہندستانی ہے۔ لکھنے والے کا دل تو صاف ہے، یہ اشدھ اور شدھ کے چکر میں نہیں ہے مگر اسے لکھنا نہیں آتا اور وہ اپنے کام پر پورا دھیان نہیں دیتا۔ اس لئے پورا جملہ بے ڈھنگا ہے۔ "فہرست لائے دہنگان ہندستانی نہیں۔ اسے ہونا چاہئے تھا: "زائے دینے والوں کی فہرست"۔ بارے میں روشنی ڈانا بھی ایک انگریزی محاورہ کا بہت ڈھیلا ترجمہ ہے۔ کسی چیز پر روشنی ڈانا تو ہندستانی میں چل گیا ہے مگر "بارے میں روشنی ڈانا" مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔ نہ Indicate کے لئے روشنی ڈانا ضروری ہے۔ "بتایا" بٹس کرتا دونوں ترجموں میں یہ برائی بھی ہے کہ لکھی پر لکھی مارنے کی کوشش کی گئی ہے ترجمہ کرنے میں مطلب سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔ یہ نہ ضروری ہے نہ ممکن کہ جملے کی بناوٹ وہی ہو جو انگریزی جملے کی ہے اور ہر لفظ کی جگہ ایک لفظ آجائے۔

خیر یہ بات تو بیچ میں آگئی۔ ہم کہہ رہے تھے کہ زبان سڈیشی ہو اور

شدہ، تو میں آپ کو سچ مچ بتاؤں کہ زبان کو شدہ بنانے کی اس کوشش نے ہی ہندی اردو کا جھگڑا پھیرا ہے۔ نہیں تو پہلے لوگ اردو ہندی کا فرق بھی نہ جانتے تھے۔ اردو کے اچھے اچھے لکھنے والوں نے اپنی زبان کو ہندی بتایا ہے۔ وہ توجہ سے اس ملی علی زبان میں سے عربی، فارسی کے لفظوں کو نکال نکال کر سنسکرت لفظ لکھے جانے لگے تو دو الٹا الٹا بنائے بننے لگیں۔ ہندی والے شدہ ہندی لکھنے لگے، اردو والے عربی، فارسی کے بے جوڑ لفظ بھی زبان میں لانے لگے۔ مگر اردو والے پورا پورا جواب دیتے تو کیسے دیتے۔ وہ دو دن کی لڑائی میں اپنا صدیوں کا کام کیسے مٹادیں۔ انھوں نے اپنی زبان کے لئے ہندستانی ڈھانچا اپنایا ہے، ہندستانی گرامر پر چلتے ہیں، لفظوں کا دیس اور نسل اور مذہب دیکھ دیکھ کر ان سے گھنیا نا اٹھیں نہیں آتا۔ پھر بھی نہ جانے غصے میں یا کیوں ان کے کچھ لکھنے والے بھی جوڑ بے جوڑ عربی فارسی کے لفظ لکھ مارتے ہیں۔ اگر کتابوں کی زبان کو بول چال کی زبان سے نزدیک رکھا جائے تو وہ صاف اور سادہ بھی رہے، سمجھ میں آئے، اس میں زیادہ زندگی ہو، دل سے نکلے دل میں گھر کرے۔ نہ روز کے برتاوے کے لفظ اس سے نکالے جائیں، نہ ان مل بے جوڑ اس میں ٹھونسے جائیں۔ یہی ہندستانی ہے۔

لیکن زبان کو شدہ کرنے کی یہ کوشش جس سے اردو ہندی کا جھگڑا نکلا آخر کیوں کی جا رہی ہے؟ اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس میں کوئی غلطی ہو تو وہ جتانے چاہئے۔ شاید یہ اس لئے ہو کہ جب قوموں کو اپنے آپ کے کا دھیان ہو چلتا ہے تو وہ ہر ہر چیز میں چاہتی ہیں

کہ ان کی اپنی ہو اور پرایا اس میں کچھ نہ رہے۔ کچھ پرانی چیزوں سے انھیں دُکھ پہنچا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر چیز سے جس پر پرانی ہونے کا ذرا بھی شبہ ہو سکے بے زار ہوتی ہیں۔ جلدی میں وہ یہ نہیں سوچتیں کہ کچھ پرانے اپنے ہو چکے اور کچھ پرانے ہی ہیں۔ کچھ پرانی چیزوں سے زندگی تنگ ہوتی ہے، کچھ پرانی چیزوں نے زندگی کو آگے بڑھایا ہے۔ باہر سے کچھ ہو ایں ایسی آتی ہیں جن سے زندگی کی کھیتی مر جھا جاتی ہے تو کچھ ایسی بھی آتی ہیں جن سے مر جھانی کھیتی اہلہانے لگتی ہے۔ دونوں کو ایک جانا اور ان کے فرق کو نہ سمجھنا بڑی ہی بھول اور نادانی ہے۔ ہندستانی زبان میں جو لوگ پرانے لفظ ڈھونڈتے اور انھیں نکالنے کی فکر کرتے ہیں وہ اسی بھول میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس ہوا سے ہمارے دس میں رنگ رنگ کے پھول کھلے اور جن کی باس سے اس کی ہوا میں آج تک بسی ہوئی ہیں وہ اسے جھلستی لو کا ایک جھونکا جانتے ہیں صاف صاف کیوں نہ کہوں، جو لوگ ہندستانی زبان سے عربی فارسی کے بول چُن چُن کر نکالنا چاہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے جو چیزیں بنی ہیں وہ پاک نہیں، ان میں سے پر دیسی میل کچل نکال باہر کرنا چاہئے۔ شاید وہ جانتے نہیں کہ یہ میل کچل ہماری زندگی کے رونگٹے رونگٹے میں بھد گیا ہے۔ انھیں اردو ہی میں سے عربی لفظ نکالنے نہ چوگی، تلسی داس، سور داس اور کبیر داس کی زبان کو بھی شدہ کرنا ہوگا۔ یہ ایسی ہی کوشش ہوگی جیسے کوئی سر بھرا گنگا جمنکا کے سنگم پر کھڑا ہو کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہے۔ اور یہ کوشش ہمیں رُکے گی کیوں؟ پھر ہر چھوٹی چھوٹی ٹولی کا دس بھی الگ ہوگا، زبان بھی الگ الگ ہوگی،

راجدھانی بھی الگ الگ - ہماری تاریخ کے کوٹھوکا پیل جہاں سے چلا تھا پھر وہیں پہنچ جائے گا - ہو سکتا ہے کہ کرنے والے یہ بھی کر ڈالیں ، دوسرے کو چڑھانے کے لئے کہیں کہیں اپنی ناک کاٹ لینے کا حال بھی سنائے اور دیوانگی میں تو لوگ آپ اپنے گلے پر چھری پھیر لیتے ہیں - مگر جسے ہندستان کے بسنے والوں کی سمجھ پر ذرا بھی بھروسہ ہو گا وہ یہ نہیں مان سکتا کہ ایک قوم کی قوم ایسی دیوانی ہو جائے گی -

پر دیسی لفظوں کو نکالنے کی کوشش کے بعد ایک دوسری غلط بات جس سے ہندستانی کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ ہے کہ کبھی کبھی یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ جو لفظ دوسری زبانوں سے ہماری زبان میں آئے تو گئے پر ذرا روپ بدل کر آئے ہیں ان کے معنی کچھ بدل گئے ہیں بولنے کا ڈھنگ بھی ذرا بدلا ہوا ہے - انھیں اپنی پرانی حالت پر پہنچا دیا جائے - وہی آنکھوں کو چہرے پر سے ہٹا کر گردن میں لگانے کی فکر ! یہ کوشش بھی کتابی اور قلمی لوگوں کی کوشش ہے جو بول چال کی زبان سے اور آدمیوں کی ریل پیل سے دور بیٹھے بیٹھے باتیں بگھارا کرتے ہیں - یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہیرے جو اہر کی طرح زبان کے بول بھی کٹتے پھلتے رہتے ہیں زبانوں پر رُل رُل کر ڈھلتے ہیں ، اُس سے ان کا بھدا پن دور ہوتا ہے - سڈول پن آتا ہے - صدیوں کے اس کام کو کسی عالم یا وِڈِوان کی خاطر نہیں مٹایا جاسکتا ہماری زبان میں جو لفظ آگئے سو آگئے اور جس شکل میں بولے جاتے ہیں اسی شکل میں ہماری ہندستانی زبان کے لفظ ہیں اور ان کے معنی وہی ہیں جو ہم ہندستانی بولنے والے سمجھتے ہیں - کبھی یا کہیں اور وہ کیسے بولے جاتے تھے

اور کس معنی میں برتے جاتے تھے اس سے ہمیں سروکار نہیں۔

اچھا یہ بات تو ہو گئی کہ جو لفظ اب ہماری زبان میں رچ بس گئے ہیں وہ چاہے کہیں کے ہوں سب اس ہندستانی برادری میں بھائی بھائی ہیں اور جس شکل میں ہیں اس میں ہمارے ہیں، تو سوچنے کی بات۔ وہ جاتی ہے کہ یہ برادری اپنے سب کام آپ چلا بھی سکتی ہے یا اسے ابھی باہر سے اور مدد کی ضرورت ہے؟ کیا وہ لفظ جن کا چلن اس وقت ہماری ہندستانی زبان میں ہے بس بات چیت کرنے اور قصے کہانیاں لکھنے کے آگے اور کام بھی دے سکتے ہیں؟ دنیا روز آگے بڑھ رہی ہے، نئی نئی چیزیں بن رہی ہیں، نئی نئی باتیں کہنی ہوتی ہیں، نئے نئے خیال پھیلتے ہیں۔ ان نئی چیزوں، نئے خیالوں کے لئے نئے لفظ چاہئیں۔ کیا ہم یہ ٹھان لیں کہ ہم جو لفظ برت رہے ہیں بس انہی سے کام چلائیں۔ انہی کو ایر پھیر کر نئی باتیں کہنے کی کوشش کریں یا نئے لفظ گھڑیں یا اور کہیں سے ادھار لیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ زبان کو بند کر دینے کا حق کسی کو نہیں۔ نئی باتیں کہنی ہوں گی تو نئے لفظ چاہئے ہی ہوں گے مگر یہ لفظ کہاں سے آئیں؟ میرا کہنا یہ ہے کہ چاہے جہاں سے آئیں، پر بے تک، ان مل بے جوڑ نہ ہوں۔ ایسے ہوں گے کھپ جائیں۔ سب سے پہلے ہمیں اپنے گاؤں کی بولی میں ان لفظوں کو ڈھونڈنا چاہئے۔ گاؤں والے قدرت سے بھی بہت قریب ہیں اور کتاب والوں کی طرح قدرت اور زندگی کے دھارے سے الگ کنارے پر کھڑے باتیں نہیں بتایا کرتے۔ ان کے یہاں بہت کچھ ملے گا۔ پھر کسانوں اور کاریگروں کے کام کاج کے لفظ بڑی مدد دیں گے کتابی لوگ جن چیزوں کے لئے سنسکرت اور عربی کی

لغت دیکھتے پھرتے ہیں ان کے لئے یہاں ایسے نام مل جائیں گے جو نہ جانے کب سے برتے جا رہے ہیں۔ کل پرزوں کے لئے ایسے نام ملیں گے جو نئی چیز پر ٹھیک چپک جائیں۔ نئے لفظ ڈھونڈتے وقت اپنے اس خزانہ کو بھولنا نہ چاہئے اس خزانے میں بھی نیا لفظ نہ ملے تو نئی چیز کے لئے نئے نام کو جوں کا تول لیا جاسکتا ہے۔ اپنی اصلی شکل میں اس کا بولنا اچھا نہ لگتا ہو تو لے تھوڑا بہت بدل بھی دینا چاہئے Rail کو ریل کہئے اور Lantern کو لائٹن کہنے سے نہ گھبرائیے اور جب یہ پر دیسی لفظ لے لیجئے تو اُسے اپنوں کا اپنا جانتے۔ جو قاعدے اپنے لفظوں پر لگتے ہوں وہی اس پر لگائے کہ پھر کوئی پہچان بھی نہ سکے کہ یہ پہلے سے ان کا ہے یا بعد کو آ ملا ہے۔ سائنس کی کتابوں کے لئے یورپی زبانوں سے بہت سے لفظ لے لینے چاہئیں۔ ہندی اردو والے مل کر ایک ہی لفظ چنیں تو اچھا ہو۔ ایسا نہ ہوا تو یہ نئی کتابیں بھی ایک کی دوسرے کے لئے بے کار ہوں گی۔ عربی اور سنسکرت سے بھی ابھی بہت سے لفظ اور لینے ہوں گے۔ مگر دونوں سے وہی لیا جائے جو ہماری زبان سے میل کھائے اور ہمارا کام نکالے، نہ سنسکرت سے اس لئے کچھ لیا جائے کہ اس سے ہماری زبان شدہ ہوگی نہ عربی سے اس لئے کہ وہ زبان کو تقدس بنا دے گی۔ یہی پہلے دن سے ہماری زبان کا دستور رہا ہے۔ اسی پر چلنا چاہئے۔ ہندستانی کا راستہ یہی ہے۔

اگر نئے لفظوں کے لینے میں اردو ہندی والے مل کر کام کریں اور دونوں میں پڑھائی کی کتابیں ایک زبان میں لکھی جائیں، اخبار بول چال کی زبان سے دور نہ بھاگیں، شمالی ہندستان کے ریڈیو اسٹیشنوں سے وہی زبان بولی جائے

جو اس سارے علاقے کے لوگ بولتے سمجھتے ہیں، تھیٹر اور سینما میں بھی اسی زبان کا چلن ہو جس میں نہ موٹے موٹے عربی لفظ بھرے ہوں نہ بے ڈھنگے سنسکرت بول، تو ہندستانی کو دو الگ الگ ادبی زبانوں میں بانٹ دینے کی رو رک جائے۔ بول چال، کاروبار، اور کم سے کم مدرسوں میں پڑھائی کی زبان تو ایک رہے۔ آگے چل کر بہت مشکل علمی باتیں کہنے کے لئے چاہے الگ طرز رہیں اور شاعری میں بھی لوگ اپنی الگ لے لاپیں مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ زمانے کی رو اس اونچے علمی اور ادبی کام اور شاعری کو بھی اس ملی جلی ہندو کی طرف لائے گی۔ زبان کا ادب اب بہت دن ایک چھوٹی سی ٹولی کا دھندا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ زبان کچھ ہو ایک سماجی چیز ہے۔ یہ آدمی سے آدمی کا رشتہ جوڑتی ہے۔ ایک دل کی بات دوسرے تک پہنچاتی ہے۔ اکیلے کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ جوں جوں لکھنے والوں کو اپنی بات سمجھانے کی ضرورت زیادہ پڑے گی، جیسے جیسے زیادہ لوگ ان کی باتوں کو سمجھنا چاہیں گے زبان کا ادب سہل اور صاف ہوتا جائے گا اور زندگی کے قریب آتا جائے گا۔ یہ کتابیں لکھنے والے بھی جو کبھی کبھی زندگی سے الگ رہ کر نہ جانے کس سے اپنی پہلیاں بچھونا چاہتے ہیں آخر آدمی میں کنوئیں کے مینڈک تو نہیں ہیں کہ اپنی ٹر آپ سُن لیں اور سو رہیں۔ یہ آدمیوں ہی سے کچھ کہنا چاہتے ہیں اور ان کا دل بھی اس کے لئے بے چین ہوتا ہے کہ آدمی انھیں سمجھیں۔ یہ مجبور ہوں گے کہ زبان کو صاف کریں، بیان کو صاف کریں، کچھ کہیں تو ایسے کہیں کہ کوئی سمجھے۔ زبانوں کی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ زبان جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے بولنے اور لکھنے والے کے مقابلہ میں سننے اور پڑھنے والے کا اثر اس پر بڑھتا

جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، زبان سماج کی لونڈی ہے، سننے والوں سے کیسے منہ موڑ سکتی ہے، یہ بولنے والے کے دل کا حال تو کہتی ہے، پر سننے والے کی کچھ کا پاس بھی اسے کرنا ہوتا ہے۔ ہاں، شاعری میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کہنے والا بس اپنا جی ہلکا کرنا چاہتا ہے، کبھی ایک آہ سے، کبھی ایک واہ سے۔ پر میں تو سمجھتا ہوں کہ اس دل کو ہلکا کرنے کے لئے بھی شاعر تک کو سمجھنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی سنسان میدان میں ایک سوکھے ٹھنڈے پر کبھی کبھی کوئی چڑیا گالیتی ہے، پر زیادہ بلبل باغ ہی میں چھپاتے ہیں۔ اس لئے میرا تو خیال ہے کہ شاعر اور ادیب بھی جلد ہی ہندستانی میں لکھا کریں گے، یعنی اس بول چال کی صاف زبان میں جس سے کوئی لفظ اس لئے نہ نکالا جائے گا کہ وہ کہیں اور آ یا تھا، اور جس میں برابر نئے لفظ بھی باہر سے لئے جائیں گے۔ مگر بے میل موٹے موٹے لفظ عربی کے ہوں کہ سنسکرت کے، اس میں یوں ہی نہ ٹھونسے جائیں گے۔ یہ ہندستانی قوم کے آپس کے میل جول کی نشانی ہوگی، ہمارے پچھلے کاموں کی یادگار، ہمارے آگے کے حوصلوں کا آئینہ۔



پنڈت برج موہن داتا تریہ کیفی

۲۴ فروری ۱۹۳۹ء

ہندوستانی کیا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی بولی جسے ہندستان
 کے سارے آدمی سمجھ سکیں اور بول بھی سکیں۔ گھڑی بھر کے لئے یہ مان لیجئے
 کہ ایسی بولی اس وقت دیس میں کوئی نہیں ہے۔ تو یہ پوچھا جائے گا کہ کیا
 ایسی بولی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب ہے ہاں ہو سکتی ہے۔ یہ یوں کہ پہاڑی
 بستیوں کو چھوڑ کر جہاں کی بولیوں کا کینڈا کچھ ترا لا ہی ہے باقی ملک میں جو بڑیں
 سرنام ہیں ان کو دو ٹولہوں میں بانٹ سکتے ہیں ایک آریں دوسری
 دراوڑی۔ اردو ہندی مرہٹی بولیاں آریں ہیں اور تامل تیلگو اور دوسری
 دیسی زبانیں دراوڑی ہیں۔ آج کل ہر چیز گڈ گڈ ہو رہی ہے۔ زبانوں کا بھی
 یہی حال ہے۔ کتابوں کی بات تو رہی الگ یہاں بس یہ کہنا ہے اور یہی پوچھا
 گیا ہے کہ ایسی بولی کون سی ہے جسے سب سمجھ لیں اور بول بھی سکیں۔ اس کو

مان کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بولی ہندستانی ہی ہے۔ ہندستانی کیا چیز ہے؟ اس کا جواب ابھی بہت دن نہیں ہوئے پٹنہ میں دیا گیا۔ بہار کی سرکار کو یہ بتانے کے لئے کہ بچوں کی پڑھائی کی کتابیں کیسی زبان میں ہوں۔ بہت سے لوگ جگہ جگہ سے آکر پٹنہ میں اکٹھے ہوئے میں بھی ان میں تھا۔ سب کی صلاح سے بتایا گیا۔ کہ کتابیں ایسی ہونی چاہئیں جن کو ہندی میں لکھا جائے تو ہندی والے بچے ابھی طرح سمجھ لیں۔ اور اردو میں لکھا جائے تو اردو پڑھنے والے بچے ابھی طرح سے سمجھ سکیں۔ اس کے سوا یہ ہوا کہ لمبی چوڑی بات چیت ہو کر اردو اور ہندی والوں نے یہ ٹھہرایا کہ ہندستانی کیا ہے؟ بہر زبان کے اخباروں میں اس کی بابت چھپ چکا ہے اس لئے یہاں اس کو میں نہیں دہراؤں گا اسے سمجھو تو کہو یا آپس کا فیصلہ۔ اس پر ہندی والوں کی طرف سے باور اجنڈر پرشاد صاحب نے اور اردو والوں کی طرف سے مولوی عبدالحق صاحب نے دستخط کئے یہ پایا جاتا ہے کہ کم سے کم بہار کی سرکار نے تو اسے مان لیا۔ مان ہی نہیں لیا بلکہ اس فیصلے پر وہاں کام بھی ہونے لگا۔ اس نے ہندستانی کیسی ٹی صوبہ بہار کے نام سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی بنائی جو باور اجنڈر پرشاد صاحب کے نیچے کام کر رہی ہے۔

بات کو تھوڑا کریں تو سوال کا جواب آچکا اور سمجھنے والے سمجھ گئے کہ ہندستانی کیا ہے؟ پر سب کو سمجھانے کے لئے کچھ اور کہنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسی بولی جسے سب سمجھ سکیں اور جسے سب سمجھ سکتے ہوں اسے وہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے بول بھی سکتے ہیں؟ سنئے۔

اچھا گائائن کر ہم یہ کہتے ہیں بہت خوب! 'بنگالی صاحب کہتے

ہیں ”بیش بھالو“! دونوں تعریفیں ایک جیسی ہیں بیش کے معنی بہت اور خوب کہتے ہیں اچھے یا بھلے کو اپنا اپنا بولنے کا رستہ ہے بھلے کا بھالو بن گیا بات ایک ہی رہی۔ اب ملک کے اوپر اور نیچے کے حصوں کو بچے پنجاب میں کسی کو پکار کر بلائیں تو اسے ہانک مارتا کہتے ہیں بالکل یوں ہی اور یہی مرہٹی میں بولتے ہیں دونوں میں بال برابر بھی بل نہیں یہ اور ایسی باتیں اور لمبی کر کے پھیلائی جاسکتی ہیں۔ جیسے یہ کہ نظم یعنی کہتا میں محبت سے چند اردو کے ہندی اور تامل جیسی زبانوں کی سادھارن کہتا اور نالکوں میں آگے ہیں اور اسی طرح ہندی کے اور بنگالی کے اردو میں آگے ہیں۔ زبانوں اور بولیوں میں ایک گڑ بڑ مچی ہوئی ہے۔ اب انگریزی بھی اردو۔ ہندی۔ بنگالی اور ہماری دوسری زبانوں میں اپنا گھر کر رہی ہے۔ اور کیوں نہ کرے وہ بھی تو آئین زبان ہی ہے۔ ہندستانی کی جڑ تو اسی دن جم گئی جس دن کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج اور چھا پہ خانہ کھولا گیا کتابوں کے سوا جو ہندستانیوں سے کھوائی گئیں جان گلکرسٹ شیکسپیر اور فارسی جیسے ہندستانی جانتے والے انگریزوں نے ہندستانی کی ڈکشنریاں اور گریمرس آپ لکھیں اس کے سچھے لوگوں کی مست ایسی بدلی اور کچھ ایسی رو چلی کہ زبان کی چھچھالی دیر ہو گئی۔ اس کا نمونہ دو ترجمے ہیں جن پر میں ابھی کچھ کہوں گا۔ پہلا ترجمہ یہ ہے۔

”فیڈرل ایجنس لچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی۔ اس کے بارے میں سر این۔ این سرکار Sir, N. N. Sirkar. لاہور نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی۔“

دوسرا لیکھ جس کو پوچھا گیا ہے کس زبان میں ٹھہرتا ہے یہ ہے۔
 سنیکٹ پرائیوٹ و پوسٹا پکا پرائیڈ میں ایک پرسن کا اُتر دیتے
 ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کا بھونے ان اُدیوگ دھندوں کی سوچی دی
 جن کی اُنٹی کے لئے سرکار نے سہایا دینا سویکار کیا ہے“ اس میں یہ بتانا
 ہے کہ فیڈرل لیجن لیچر Federal Legislature.

تو جوں کا توں رہے گا ہی کیوں کہ یہ ایک نام ہے ہم سیوک رام کو عبداللہ نہیں
 بتا سکتے۔ نہ خدا بخش کو رام دتا کر سکتے ہیں۔ فہرست بھی ٹھیک ہے اسے
 گنوار تک سمجھتے ہیں چاہے بولتے وہ ’فہرست‘ ہوں مگر فہرست کے نیچے
 جو فارسی کی اَصاف لگائی گئی ہے۔ یہ ہندستانی میں نہیں کہہ سکتی یہ نہیں
 چاہئے تھی۔ پھر آتا ہے ”رائے دہندگان“ اسے ان پڑھ اور گاؤں ٹلے
 چاہئے کچھ نہ کچھ سمجھ بھی لیں تو بھی یہ فارسی کا بھاری بھر کم ملاؤ ہندستانی میں جگہ
 نہیں رکھتا ’ابتدائی کارروائی‘ یہ ٹکڑا بھی بدلا جا سکتا ہے۔ اس کے بائے میں
 کی جگہ اس کی بابت ہونا چاہئے جسے سب سمجھتے اور بہت سے لوگ بولتے ہیں
 ’روشنی ڈالی‘ بھی کھلتا ہے نہ یہ ٹھیک ترجمہ ہے مطلب یہ کہ ترجمہ اردو اور
 ہندستانی نہیں۔ اس کی ہندستانی میری سمجھ میں یہ ہوتی ہے۔

”فیڈرل لیجن لیچر کے لئے رائے دینے والوں کی فہرستیں بنانے میں
 پہلے جو کام کیا جائے گا اس کی بابت سر این این سرکار قانونی نمبر نے آج
 اسمبلی میں سب کچھ کھول کر بتایا“ یہ دوسرا ترجمہ میں نہیں کہہ سکتا کس زبان
 میں ہے۔ سادھارن آدمی اس سے کچھ نہ سمجھے گا۔ پہلے ہی سنیکٹ لکھا ہوا
 ہے جو بہت موٹا لفظ ہے جس کو سنسکرت یڑھا ہوا ہی سمجھ سکتا ہے۔

یہ ترجمہ ہے 'یونائیٹڈ' کا۔ ابھی کہہ چکا ہوں کہ ناموں کا ترجمہ نہیں کیا کرتے "سنیکٹ پرائیوٹ" ویو سٹھاپکا پریٹڈ" کسی کھینچ تان سے بھی نہ ہندی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہندستانی یہی حال 'اڈیوگ ڈھندوں' کا ہے اس میں مینوفیکچر Manufacture تھا۔ جس کا ترجمہ دھندا کر لیا گیا۔ دھندے میں دکانداری اور روپیے کا لین دین بھی آتا ہے جو بینک کرتے ہیں یہاں یہ مطلب نہیں۔ میں اس کو ہندی کبھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ کوئی انوکھی اور زالی بولی ہے اگر اسے بولی کہا ہی جائے۔ میں اس کی ہندی یوں بتاتا۔

"یوپی کی اسمبلی میں نیائے منتری ڈاکٹر کاٹھونے ایک پرسن کا اتر دیتے ہوئے ان نئے کارخانوں کی سوچی دی جن کی انتی جانچ ابھی ہوئی ہے اور جن کے لئے سرکار نے مدد دینا منظور کیا ہے۔" یہ یاد رکھنا چاہئے کہ "غریب نواز" جیسے فارسی ٹکڑوں کی طرح "مدد" اور "منظور" ہندی میں آچکے ہیں اور آجاتے ہیں جانا چاہئے کہ "رومال" کو "کھ مارجن بستر کھنڈ" کہنا ایسا کھلتا ہے جیسا بھوک ہڑتال کو "مقاطعہ جوئی" کہنا۔

ایسی بولی جس پر ابھی بات اٹھی۔ کوئی نہیں بولتا نہ اس کے کھنے والوں کے سوا کوئی اسے سمجھ سکتا ہے یہ تو وہی بات ہوئی جیسی ایک کہاوت ہے۔ آب آب کرتے مر گئے اور پانی پینے کو نہ مل سکا۔ تاکیسے؟ گھر والے تو پانی سمجھتے اور بولتے تھے اور مانگنے والا فارسی کے پگلے پن کی بھینٹ چرٹھ چکا تھا۔

وہ کوئی زبان ہو اور دویا ہندی بول جاں اور مطلب سمجھانے میں
سادھارن ہونی چاہئے۔ اس لئے اس ترجمہ کی زبان کو کوئی نام نہیں
دیا جاسکتا۔ علم کی کتابوں کی بات تو ہے دوسری۔ کام کی باتیں اپنی دھارن
بولی میں کہی جاسکتی ہیں۔ بات کو تھوڑا تھوڑا کر کے یہ کہنا کہ اسی کا کچھ نام ہی رکھنا
ہے تو اسے سنسکرتی ہندی کہہ سکتے ہیں۔

کیرجی اور شاہ نظیر جس بولی میں اپنا راک گا گئے۔ وہ ہندستانی کی
داغ بیل تھی۔ اس کے پیچھے سرکار نے جو کچھ کیا وہ ابھی بتایا گیا ہے۔ اب جو کچھ
کرنا ہے۔ وہ سب کے سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک ایسی بولی کو سامنے
ملک میں پھیلا یا جائے جس کو سب سمجھ سکیں چھاوٹی میں لال کرتی بازار کے
کباڑی کا یہ کہنا ”صاحب ٹوروی Two rupee خوشی ٹیک Take
خوشی نہ ٹیک کہنے والے کے دل کی بات کو زیادہ کھول کر دکھاتا ہے اور
سننے والا بھی سمجھ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہتے ہیں ”رد قول کو رد عمل سے کم
قابل تعزیر نہیں قرار دیتا۔ دو روپے سے کم لینا میرے نزدیک بمنزگناہ
کے ہے“ تو کہئے اسے کون سمجھے گا؟ یہ ہیں سے لٹوا فرینکا“ یا سادھارن
بولی کی رام کہانی چھڑتی ہے۔

زبان کی جانچ پرتال کے پھیر میں مجھے یہ پتہ چلا ہے۔ کہ جب سے
دوہی زبان والے فارسی اور عربی اور سنسکرت کے سامنے اندھا دھند
ہاتھ پھیلانے لگے۔ تب سے نئے لفظ اور نئے جوڑ میل گھڑنے سے روک گئے
اور وہ ایک دیندار کے سے کنوڈے بن گئے۔ میں یہ جانا چاہتا ہوں کہ
وہ زبانیں اب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کوئی نئی گھڑنت ایسی نہیں دکھا سکتیں

جو بولتی مورت سمجھی جا سکیں۔

علم کی کتابوں کا ذکر نہیں جن میں بہت سے لگے بندھے لفظ ایسے
ہو اہی کرتے ہیں جن کا سمجھنا بہت کٹھن ہے اعلیٰ سے یہاں ہمیں کام نہیں اور
میں تو یہ کہوں گا کہ اگر دل پر ہاتھ رکھ کر اور آنکھیں کھول کر دیکھیں اور
من میں بس یہی چاہت ہے کہ دوسرے کو یہ گڑ سمجھا دینا ہے تو اس کا رستہ
بھی نکل سکتا ہے۔ دیکھئے ہائیڈرو الیکٹرک Hydro Electric.

کے لئے کیوں ہم عربی یا سنسکرت کے کلمے اور انوکھے ان کھڑے لفظ لیں۔ میں
پوچھتا ہوں کہ ہم ہائیڈرو الیکٹرک کو "پن بجلی" کیوں نہ کہیں اور لکھیں ہر ایک
اسے سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ وہ بجلی جو پانی کی طاقت سے پیدا کی جائے
یہ ہے ہندوستانی یوں ہی سوچ بچار اور کھلے دل سے کام لیں تو جو
باتیں ہم کو پہاڑ دکھائی دیتی ہیں وہ رائی بن جائیں۔ جب ایک زبان بن
جاتی ہے وہ چاہے کتنی ان کھڑے اور بے تکی ہو۔ تھوڑے دنوں میں نکھر
سنور کر اپنے آپ سہانی ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی کو یہ بھی نہیں کرنا ہو
کیوں کہ وہ پہلے ہی منجھی ہوئی اور سھری ہے کرنا بس یہ ہے کہ ہم اسے
اس کی جگہ پر بٹھاویں۔

بہت برس ہوئے یو۔ پی۔ گورنمنٹ نے بنارس کے راجہ
شو پرشاد کو لکھا کہ وہ ایک گریمر بنائیں جو اردو ہندی دونوں میں کام
دے سکے۔ انھوں نے بنائی۔ اسے ہندوستانی کی گریمر کہا جائے
حال ہی میں جو ہندوستانی فلیس پسند کی گئی ہیں میں ان کی بات چیت کو
ہندوستانی کہوں گا یہ مانا کہ کہیں کہیں اس میں ادل بدل ہو تو اچھا۔ اور

اگر کوئی اپنے منہ میاں مٹھو کی پھبتی اڑائے تو میں بے دھڑک کہوں گا
کہ ابھی جس زبان میں میں بولا ہوں وہ ہندستانی ہے۔



آصف علی صاحب

۲۵ فروری ۱۹۳۹ء

آج پانچ دن سے اردو ہندی کی گتھیوں کو سلجھا یا جا رہا ہے۔ کھرے کھوٹے کی پرکھ کے گڑ بنائے جا رہے ہیں۔ اور بول چال کے سانچے الٹ پلٹ کر دکھائے گئے ہیں پر نچوڑ کا سوال اتنا ہے کہ اس زبان جانچنا ہے جو بولی جاتی ہے یا نئی بولی بناتی ہے۔

جو اردو اور ہندی آج لکھی جاتی ہے وہ کھری بھاشا نہیں جس سے اردو بنی اور جس نے خسرو کو موہ لیا تھا۔ ہندستانی تاریخ میں وہ دن نہیں ملتا جب برج بھاشا اور فارسی نے گلے مل کر اردو کا چولہا بدلا تھا۔ اور دو تہذیبوں یا سمجھاؤ کا میل اور تنجگ ہوا تھا۔ یوں تو مسلمانوں کے ہندستان میں سے بے پچھلے چھ سو برس تک راج اور دفتر کی زبان فارسی رہی پر عام لوگوں نے بول چال کی زبان اور ٹھیرالی تھی جو آگے بڑھ کر اردو بن گئی۔ جس طرح آج انگریزی

زبان سے ہندستانی زبانوں کا لین دین چل رہا ہے۔ وہی پچھلے سات سو برس میں فارسی عربی سے رہا۔ اس سے زبان میں بڑھوتری ہی ہوتی ہے کچھ گھٹنا نہیں ہاں ہر زبان کا ایک ڈھانچا ہوتا ہے۔ جس میں دوسری زبانوں کے بعض لفظوں کی بیٹھک اور کھپت ہو سکتی ہے اور بعضوں کی نہیں۔ بولنے والے آپ کا نٹ چھانٹ اور پھیل چھال کے اوپری لفظوں کو سانچے میں بٹھالتے ہیں۔ بٹن، بوتل، ریل، ریڈیو، اسکول، اسٹیشن جیسے اردو میں آئے اسی طرح سنسکرت عربی فارسی اور ترکی کے لفظوں کا حال ہوا۔ اردو باہندی میں ان زبانوں کے لفظوں کا رنگ روپ چھوڑنے تک بدل گئے ہیں۔ آج لوگ خواہ مخواہ اصلی لفظ اور معنی یا ارتھ اور اُچارن پر زور دیتے ہیں۔ اردو میں تو ان گنت لفظ برج بھاشا کے وہ کے وہی ہیں جو سات سو برس پہلے تھے اور عربی فارسی کے جو لفظ بھی آگئے ہیں وہ چورسانی میں آچکے ہیں۔ جوئی ناپتیل اور کھینچا تانی آج چل رہی ہے اس سے نہ اردو عربی فارسی اور نہ ہندی سنسکرت بن سکتی ہے۔ اگر فارسی یا سنسکرت عام زبان ہو سکتیں تو اردو اور پچاسوں پر اکریں کیوں جنم لیتیں۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے تو سنسکرت کا رستہ کھلا تھا۔ بات اتنی تھی کہ جب تک ہندستان میں ان پڑھوں کی وہ گنتی رہیگی جو آج ہے بول چال اور لکھے پڑھوں کی زبانوں میں پھیرے گا۔ عام مسلمانوں نے جو باہر سے نہیں آئے تھے۔ سو میں سے دس پانچ باہر کے لفظ لے لئے ہوں گے۔ نہیں تو جو وہ بولتے آئے تھے بولتے رہے آج بھی کروڑوں ہندو مسلمان پشتو، پنجابی، گجراتی، سندھی، بنگالی، اڑیہ، کوکنی، مرہٹی، تامل، تلگو، ملایا، لم، گاتری، مارواڑی اور اور زبانیں بولتے ہیں۔

اسی طرح ہندستان کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اردو بولنے لگا۔ ہاں جہاں علم و فن کا سوال ہے اردو اور ہندی دونوں کا ڈیل ڈول الگ ہے، ہزار ڈھانچا، گریمر قواعد و یا کرن ایک ہوں پر علم و فن فلسفہ دین دھرم اور سونچ بچار کے پیچیدہ مضمونوں میں پورا ڈالنے کے لئے اردو عربی فارسی اور ہندی سنسکرت سے لفظ لئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رہی دلی کی اردو تو یہ تو وہی زبان ہے جو ست سو برس سے چلی آئی ہے اور اب پل بڑھ کے اتنا روپ نکال چکی ہے اور پرانی برج کی کہاوتیں، دوہے، بھجن گیت کہہ مکریناں، پہیلیاں، محاورے اس زبان کا آج بھی سنگار ہیں۔ اگر اسے نکسالی زبان مان لیجئے تو اس کو سوٹی پرکھا کھوٹا پرکھا کیا مشکل ہے۔ آج کل جو اردو یا ہندی بولی پوسی جا رہی ہے اس کا تو نری ہٹ سے نکاس ہوا ہے ایک طرف عربی فارسی کے بوجھل لفظ لئے جاتے ہیں تو دوسری طرف جان جان کے سنسکرت کے شبد لئے جاتے ہیں۔ نکسالی اردو کی پہچان کا تو سیدھا سا گڑبے کہ عربی اور سنسکرت کی ڈکٹری دیکھے بن کام چل سکے۔ اگر پرانا ہندستان یعنی دلی، آگرہ، اودھ، پنجاب اور بہار، راجپوتانہ، مگدھ، دیش اور دکھن دلی کو کسوٹی بنا لیتے تو آج گورکھ دھند کے بلوں اور پھیروں میں نہ ابھتے۔ گھر بلو بیجوں سے کھیتی ہوگی تو جو جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔ جو کے کھیت میں گیہوں اور بیر کے باغ میں انار تو ہونے سے رہے۔

زبانیں تین طرح بنتی اور پھلتی ہیں۔ سب سے پہلے تو آدمی کی ضرورتوں سے۔ جب آدمی کچھ کہنا چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے لفظ بھی ٹٹول لیتا ہے۔ یہ ترکیب لاکھوں برس سے جاری ہے۔ جس نے دیس دیس کی زبان الگ

بنادی اور دیس تو دیس شہر شہر محلے ٹولے کے لب ولہجہ میں پھیر ہو جاتا ہے جسے جاننے والا سنتے ہی تاڑ لیتا ہے دوسرے دین دھرم اور راج پاٹ کی چھاؤ میں۔ بدھ دھرم سنسکرت اور پالی کے لفظوں کو چین جاپان لے گیا۔ عیسائی مذہب نے عبرانی کے بعض لفظوں کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اسلام نے عربی کے لفظوں کو دیس دیس میں پہنچا دیا تیسرے راج کے جھنڈے تلے۔ اس کی مثالیں بہتیری ہیں۔ آج ہم آپ بھی انگریزی بولنے لکھنے پر مجبور ہیں جس کا راج اس کی زبان۔ مگر یہ بات ٹھیک نہیں کہ زبان ایک ہونے سے جھگڑے ٹٹنے مٹ جاتے ہیں۔ کیا ہا بھارت نہیں ہوئی فارسی عربی بولنے والے آپس میں نہیں لڑے انگریزی بولنے والوں میں لڑائیاں نہیں ہوئیں اگر زبان ایک ہونے سے جھگڑے چک سکیں تو ساری دنیا کی زبان ایک بنانی چاہئے۔ ایک دفعہ یورپ میں اس خیال سے اسپرانٹو زبان چلانے کا زور بندھا تھا مگر پارنہ بسائی۔ لڑائی جھگڑوں میں تو نہ جانے خود عرضی کے تانے بانے پورے جاتے ہیں مگر یہ سچ ہے کہ اپنی کہہ اور دوسرے کی سن سکے۔ تو ایک رکاوٹ گھٹ جاتی ہے۔ اس لئے اگر سارا ہندستان انگریزی کی جگہ کوئی اور زبان بولنے لگے۔ تو اچھا ہوگا۔ اس خیال سے ایک نئی زبان جسے ہندستانی کہیں بنا لیجئے۔ اور اس میں سب ہندستانی دیسوں کی زبانوں کی ایک ایسی کچھڑی ہونی چاہئے جو راج پہنچ جائے جس طرح انگریزوں نے آٹھ نو سو لفظ ایسے چن لئے ہیں جو بول چال اور معمولی کارروائی کے لئے کافی ہیں اور وہ بنیادی انگریزی بن گئی ہم بھی ہندستان بھر کے لئے ہندی اردو کے وہ لفظ چھانت لیں جو دوسرے دیسوں کی زبانوں میں کسی نہ کسی روپ میں ملتے ہوں۔ اور اُسے ہندستانی

بولی ٹھیرالیں۔ ہندستان ایک دیس تو نہیں یہ تو کئی دیسوں کا مہا دیس ہے
 ہندستانی پنجابی، پٹھان، بہاری، بنگالی، مدراسی، دکھنی مرہٹے گجراتی سندھی
 راجپوت، مارواڑی میواڑی، اڑیہ سب کے رسم و رواج پہناؤ ٹھنکا کھانا
 پینا، رہن سہن ملے جملے ہونے پر بولیاں الگ ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی
 کا چلن جاتا رہے گا تو ہر دیس کی اپنی بولی تو وہی رہے گی جو ہے۔ انگریزی
 کی جگہ ہندستانی ہو جائے گی مگر یہ ہندستانی تو بنانی پڑے گی۔ جو نہ تو آج کی
 اردو ہو سکتی ہے اور نہ ہندی۔ اس لئے کہ یہ دونوں نئے رستوں پر گئی
 ہیں۔ دلی اُجڑی، لکھنؤ بسا اور وہاں اردو میں عربی فارسی کے پیوند لگائے
 گئے۔ ابھی یہ نیا پودا چھونے پھلنے نہ پایا تھا کہ لکھنؤ کا چراغ بھی بجھ گیا۔ پھر لاہور
 اور حیدرآباد نے اس کو سینچنا شروع کیا۔ جوں جوں دلی کی اردو میں باہر جا کے
 عربی فارسی کے گل بوٹے کھلے اور دوسری طرف راج نینک بھاؤ بڑھا وہ
 لفظ بھی جو اردو کی جان تھے۔ ہندی میں پراچین سنسکرت کا چولا پہن پہن کر
 سامنے آکھڑے ہوئے۔ پرانی اردو اور ہندی میں انگنت لفظ ایک تھے
 اور بیسیوں سپرٹھیوں سے لوگ وہ بولتے آئے تھے مگر آج سب کی شکلیں
 بدل رہی ہیں۔ ادھر عربی فارسی کا بہاؤ ہے۔ ادھر سنسکرت کا چڑھاؤ۔ ادھر
 نیند خواب تو ادھر شائے۔ ادھر بیکل اضطراب تو ادھر ویاکل ہونا۔ ادھر
 بیٹھک نشت تو ادھر ادھویشن۔ ادھر پتا ساتھ تو ادھر وہتی اور تو اور سوچ
 سور یہ رات راتری، جاگ جاگرتی۔ سُبھ اور سُندھ بھی شُبھ اور سُندھ ہو گئے۔ آج
 ہندی واسے عربی فارسی کے ان لفظوں کو جو ڈھل ڈھلا کے اردو ہو گئے تھے
 چُن جن کر نکالتے ہیں اور پرانی پراکرت کے ڈھلے ڈھلائے بولوں کو بھی سنسکرت

میں رنگتے ہیں۔ اور اردو والے ہوتے ہوتے اردو کے لفظ چھوڑ کر عربی فارسی پر گرتے اور ٹوٹتے ہیں۔ وہ سیدھی سادی اردو جو دہلی میں سینکڑوں برس سے بولتے چلے آئے ہیں آج بھی نوے گھروہی ہے جو برج والوں سے سیکھی تھی۔ آخراًج اُس میں کیا بس کھل گیا ہے کہ برس کا ورش۔ بس کا ورش۔ جتن کا متن کارن کا کارنڈ۔ اچرج کا آسچر یہ بنایا جاتا ہے یہی حال رہا تو اگر چار پانچ برس میں اردو اور ہندی الگ منہ موڑ کے بیٹھ جائیں تو مجھے کچھ اچھنا نہ ہوگا۔ بول چال اور علم و فن کی زبان میں ضرور پھیر پڑ جاتا ہے۔ بول چال میں زبان ہلکی پھلکی رہ سکتی ہے۔ مگر علم و فن میں کوری کہاوتوں اور زبے محاوروں سے بات نہیں بنتی۔ بیچاے انشا اللہ خاں نے لکھتو میں یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔ اور ان کی کوشش کا نمونہ ”دریائے لطافت“ میں ملتا ہے۔ اس وقت ہندی اور اردو جس چال سے بڑھ رہی ہیں اور آگے بڑھتی دکھائی دیتی ہیں اس کا نتیجہ صاف ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ دو زبانیں الگ الگ ہو گئی ہیں اور ہو جائیں گی۔ اس لئے روٹھنے اور ہٹ کرنے کا کام نہیں۔ دونوں کو الگ چلنے دیا جائے اور ہندوستانی ایک تیسری زبان سوچ بچار کر کے بنائی جائے۔ نجلی جماعتوں میں ہندوستانی پڑھائی جائے۔ اور اونچی جماعتوں میں جو جس کی زبان ہو وہ پڑھائی جائے۔ کسی سے کسی کو شکایت نہیں۔ ہندی کو ہندوستانی یا اردو کو ہندوستانی کہنے کی ضرورت نہیں۔ جس کی جہاں مانگ ہوگی وہی بولی چلے گی۔ جب گر ماگر می گھٹے گی۔ اور ہما ہی کا بخار ہلکا پڑے گا۔ تو ہو سکتا ہے کہ اردو ہندی کے میل کا نیا راستہ نکل آئے۔

آج کی بوجھل اور کڑی اردو اور ہندی اور کھری اردو کے تین

نہونے سن بیجے۔ اور خود فیصلہ کیجے کہ ٹھیک کیا ہے۔ ایک ہی سماں تین زبانوں میں سنئے۔

بوجھل اردو:- شب تاریک میں رشک الماس ستارے ضیا پوشی کر رہے ہیں۔ اشجار و اثمار، وحوش و طیور، توج روح و بحر سب سکوت کے آغوش میں خوابیدہ ہیں۔ بزم زلیست کا طرب انگیز زمزمہ جو طلوع آفتاب کے بعد مثل ایک سر بفلک کشیدہ فوارہ کے باد بہار کے ناز و انداز کر رہا تھا ساکت و صامت ہے۔

بوجھل ہندی:- گھنگھور راتری میں ہیرے کو نجات کرنے والے تارے جیوت کی ورشا کر رہے ہیں۔ برکش اور پھل، پکشی اور پشو اور دہاراؤں اور سمدر کی ترنیں بھی ٹھہراؤ کی گود میں شائن کر رہی ہیں جیون کی سجا کا سنگیت جاگرت گائن جو سورہ کے اُدے ہوئے شجیات آکاٹس سے باتیں کرتے پھوارہ کے سماں و سنت وایو سے اچھلا ہٹ کر رہا تھا اس سے چپ اور پتھر ہے۔

سیدھی اردو:- رات اندھیری ہے اور ہیروں کو بجانے والے تارے جگمگا رہے ہیں۔ پیڑ، پھل، چوپائے، پرندے، دریا اور سمندر کی لہریں سب خاموشی کی گود میں سو رہے ہیں۔ زندگی کی مغل کا دل گدگدانے والا گیت بھی جو کرن کے پرے ایک ایسے فوارہ کی طرح جو آسمان سے باتیں کرتا ہو بہار کی ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ اب ٹھہر گیا اور چپ ہے۔

اس مضمون کو کچھ اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ کون سا ہندی بولتے والا ہے جو اس آخری نمونے کو نہ سمجھ سکے۔ یہ اردو بولی تو جاتی ہے

اگر لکھی بھی جاتی رہے تو شاید "سوریہ اودے" نہ ہو بلکہ سورج ہی نکلتا ہے ریڈیو زبانوں کے سمیٹنے اور پھیلانے میں اسکو لوں سے بھی بڑھ کر کام کر سکتا ہے اگر اردو اور ہندی الگ الگ زبانیں مان لی جائیں تو نئی زبان ہندستانی ریڈیو کے رستے سے چل نکلے گی۔ پشاور، لاہور، کھنوا اور دہلی کی زبان اردو مان لیں اور پٹنہ اور ناگپور کی ہندی۔ اور باقی اور صوبوں کی وہی زبان جو وہاں بولی جاتی ہے تو روزمرہ پر ریڈیو ایٹیشن سے ہندستانی اور مقامی زبان میں خبریں سنائی جاسکیں اور چھوٹی لہریں Short wave پر انگریزی میں تو سب کی مانگ پوری ہو جائے گی۔ اور ہندستانی بھی پھیل چکے گی۔ مگر یہ ہندستانی ہو گیا۔ ایک کیٹی مینی چاہئے۔ جو ہندستانی زبان بنانے کا بیڑا اٹھائے۔ اور جہاں تک ہو سکے سب ہندستانی زبانوں میں جو لفظ گھلے ملے بائے چھانٹ کے اکٹھے کرے اور جو لفظ نہ ملے اس کی جگہ انگریزی کے لفظوں کو یا کسی ہندستانی دوسری زبان کے لفظوں کو چھیل بھال کے سانچے میں بٹھا دے۔

ریڈیو والوں نے جو نمونے ہمیں دئے ہیں ان سے ان سچاروں کی مصیبت کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دیتی ہے انھیں تو روز تھوڑی سی دیر میں انگریزی کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ اب وہ کیا کریں۔ جب خود اخباروں کی اردو اور ہندی اس نمونے کی ہو۔ گھرے گھرے لفظ تو ملتے نہیں اور ترجمہ ایسے لفظوں کا کرنا پڑتا ہے۔ جو پہلے اردو ہندی یا سنسکرت تک میں موجود نہیں۔ آخر اکٹا کے یا تو وہ فیڈرل بحیں لیچر اور لائبر کو بوں ہی چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ اردو کے نمونے میں اور یا وہ یو۔ پی آئی کے لئے ایک ان مل بے جوڑ

سینکٹ پرائیٹی دیوسٹھاپکارشد جیابے ڈول فقرہ گھڑتے ہیں۔ جیسا کہ ہندی کے نمونہ میں۔ یہ دونوں تو اردو ہندی کے لیا پوتی کے نمونے ہیں۔ اب ہندستانی کیا ہو۔ اس پہلی کی بوجھ بڑی کھٹن ہے۔ کیوں کہ اس بھاشا کا بیچار بھی مندا چل رہا ہے۔ یہ اُس دن تیز ہو گا جب لوگ اردو اور ہندی کو ہندستانی کہنا چھوڑ دیں اور ہندستان کو ایک نئی زبان سمجھ کے اُس کی داغ بیل ڈالیں۔ اس وقت اردو والوں کو اختیار ہو گا۔ کہ وہ فیڈرل لیجس لیچر کو وفاقی ایوان قانون ساز کہیں یا سیدھا سادا فیڈرل کونسل یا اور کچھ اور اسی طرح ہندی کا راستہ بھی صاف ہو گا۔ کہ جو چاہے اس کا بنائے مگر ہندستانی میں یہ راشٹری پنچایت کہا جاسکتا ہے۔ جو شاید آگے چل کر استری پنچایت رہ جائے۔ اسی طرح دوسرے لفظوں کا حال ہو گا۔ اردو میں تو سوال جواب ہی چلے گا۔ ہندی میں پرسن اُتر ہی سہی مگر ہندستانی میں چونکہ پوچھنا پرسن ہی کا بگڑا ہوا ہے۔ بوجھن کے تول پر سوال پوچھن ہو سکتا ہے اور جواب چاہے اُتر رہے یا دکھن اردو والوں کی گوں کا تو ہے نہیں۔

میری ساری رام کہانی کا پتھر یہ ہے کہ اردو ہندی ہندستانی تین الگ زبانیں ہیں اردو تو بنی بنائی ہے۔ اور ہندی بھی اب بن چکی ہے مان دونوں کے سنجوگ سے جو گنگا جمنی زبان بننے والی ہے۔ وہ ہندستانی ہے یہ کام نئی تانتی کا ہے۔ کہ وہ اس نئی بھاشا کی چولیں اس طرح بٹھائیں کہ اس میں کان نہ رہے۔

